سلسلۂ مطبوعات مجلس
۱۴۶

تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب

قرآن کریم اور سیرت نبوی کے ادبی شہ پارے

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی

یعنی مولانا مدظلہٗ کے اُن خطبات کا مجموعہ جو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے
"شعبۂ دعوت وفکر اسلامی" میں دیئے گئے

عربی سے ترجمہ

ڈاکٹر مولوی عبداللہ عبّاس ندوی
استاذ
جامعۃ الملک عبدالعزیز۔ مکہ معظمہ

www.abulhasanalinadwi.org

(حقوق طبع بحق مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ محفوظ ورجسٹرڈ ہیں)

بار چہارم

ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ سنہ ۲۰۱۱ء

نام کتاب.....تبلیغ ودعوت کا معجزانہ اسلوب

نام مؤلف.....مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

کتابت.....ظہیر احمد کاکوروی

صفحات.....۱۵۲

طباعت.....آزاد پرنٹنگ پریس، لکھنؤ

تعداد اشاعت.....ایک ہزار (۱۱۰۰)

قیمت-/100 روپے

طابع وناشر

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام

پوسٹ بکس نمبر ۱۱۹، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

فون:0522-2741539، فیکس نمبر:0522-2740806

www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org

فہرست عناوین

"تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب"

پیش لفظ — از۔ مولانا محمد رابع ندوی	۹
عرض مترجم۔ موضوع کا تعارف — از۔ مولانا عبداللہ عباس ندوی	۱۴
خطبہ (۱) دعوت دین میں حکمت و وسعت اور ہر زمان و مکان کے لئے اس کی ہم آہنگی	۱۷-۲۶
ایک دیرینہ آرزو کی تکمیل	۱۷
قرآن کریم کا موضوع دعوت و ہدایت ہے	۱۸
دعوت و تبلیغ کا کام قوانین و ضوابط کا پابند نہیں ہے	۱۹
دعوت کے زمانی اور مکانی حدود	۲۱
آیت دعوت کا اختصار و اعجاز، اس کی وسعت و گیرائی	۲۱
دعوت کا ایک اہم عنصر، واقعات اور مثالیں	۲۴
ایک مومن کی دعوت کا نمونہ جو اپنا ایمان مخفی رکھے ہوئے تھا	۲۵
خطبہ (۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کے دو نمونے	۲۷-۴۰
ایک فرزند اپنے باپ کو دین کی دعوت دیتا ہے	۲۸
حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دلائل کا حسن انتخاب	۳۱
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنی قوم کو دعوت فطرت انسانی اور حقائق کی بنیاد پر گفتگو	۳۲
ذہانت، قوت گفتار اور مخاطب کی مذاق شناسی صلاحیت سے فائدہ اٹھانا	۳۴
قرآن کریم کا طرز۔ اثبات مفصل اور نفی مجمل	۳۶
دلی جوش اور امنگ کے ساتھ اللہ کا تذکرہ	۳۷
دل کی آواز موقع و مناسبت کی جستجو نہیں کرتی	۳۹
خطبہ (۳) حضرت یوسف علیہ السلام کے طرز تبلیغ کا ایک نمونہ	۴۱-۵۹
ایک انوکھا ماحول جس میں حضرت یوسف نے دعوت دی	۴۳
احترام و اعتماد کا مرکز	۴۶
احسان کا مفہوم	۴۷
بھیانک خوابوں سے زیادہ قابل فکر بات	۴۸

www.abulhasanalinadwi.org

آغاز گفتگو کا حسین پیرایہ ۵۰

پہلی تفسیر ۵۱

دوسری تفسیر ۵۲

مرغوب و پسندیدہ چیز کے ذکر سے طبیعت میں نشاط پیدا ہوتا ہے ۵۳

ایک دلنشیں اور سبک پیرائے میں دعوت کی طرف روئے سخن کا پھیر دینا ۵۴

جادۂ صدسالہ کو حضرت یوسفؑ ایک لمحہ میں طے فرماتے ہیں ۵۵

ایک قرآنی معجزہ ۵۷

ایک ایسے داعی کا طریقۂ کار جو اللہ کی طرف سے الہام کی نعمت سے سرفراز ہے۔ ۵۸

خطبہ (۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت اور ان کی پیغمبرانہ حکمت کے چند نمونے ۶۰—۸۰

پیغمبرانہ دعوت کا ایک اور نقش جمیل ۶۰

حضرت موسیٰؑ کی مہم دوسرے انبیاء کرام کی مہم سے قدرے مختلف ہے ۶۱

بنی اسرائیل کی ان کے معاصرین کے مقابلہ میں جداگانہ نوعیت و خصوصیت ۶۲

حضرت موسیٰؑ پر دوہری ذمہ داریاں ۶۳

فرعون کے منصوبہ اور انتظامات کی ناکامی ۶۴

خرق عادت کا پورا ماحول ۶۵

ایمانی اور قلبی قوتوں کی کاوشیں ۶۸

اللہ کا محبوب ترین بندہ۔ ایک مبغوض ترین بندہ کے پاس جاتا ہے ۶۹

فرعون کے ترکش کا ایک زہریلا تیر ۷۲

حکمت پیغمبرانہ اور مکمل معجزہ ۷۳

دعوت پر پختگی کے ساتھ جما رہنا اور کسی حال میں اس مقصد کو فراموش نہ کرنا ۷۵

فرعون کی فکری پیترا بازی اور حضرت موسیٰؑ کی استقامت اور کامیابی ۷۶

فرعون کے ترکش میں ایک یہی تیر تھا جو اس نے آزمایا ۷۷

فرعونی ترکش کا آخری تیر ۷۸

خطبہ (۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل ۸۱—۹۶

خانہ جنگی بسا اوقات بیرونی دشمنوں کے مقابلہ سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے ۸۱

حضرت موسیٰؑ کے چار واضح اور فیصلہ کن مواقف ۸۱

www.abulhasanalinadwi.org

منصب نبوت اور سیاسی قیادت کا فرق ۸۲
فرعون کے وزراء ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتے تھے ۸۵
پیغمبرانہ روح کا تابناک نمونہ ۸۵
ایک راہ شناس مبلغ جس کو اللہ تعالیٰ نے
ایک بڑی مہم سر کرنے کے لئے تیار کیا تھا ۸۶
ہمت شکن اور دل توڑنے والی بات ۸۹
داعی ہر حال میں داعی ہی رہتا ہے ۹۰
حضرت موسیٰؑ نے کچھ اور چاہا اور اللہ تعالیٰ نے کچھ اور کر دیا ۹۲
ہرگز نہیں میرا رب میرے ساتھ ہے وہ مجھے راستہ
بتائے گا ۹۳
پھر کیا ہوا! ۹۵

خطبہ (٦) - ایمان پوشیدہ رکھنے والے مومن
کی دعوت غیر نبی کی دعوت کا نمونہ ہے ۹۷-۱۱۸

ایک مومن جو اپنا ایمان پوشیدہ رکھے ہوئے تھا ۹۷
ایک مکالمہ جو حکمت و بلاغت کا آئینہ اور موقع
شناسی کا اعلیٰ نمونہ ہے ۱۰۱
حکمرانوں کی مورچہ بندی ۱۰۲
ایک نرم اور دل پر اثر کرنے والی بات ۱۰۳
مقصد براری کیلئے عیاں حقیقت سے استدلال ۱۰۵
غیر متغیر سنت اللہ سے استدلال ۱۰۶
ماضی میں فنا ہونے والی قوموں و تاریخ سے عبرت دلانا ۱۰۸
آخرت کے عذاب سے آگاہی ۱۰۹
ایک حکیمانہ نکتہ ۱۱۰
فرعون کی وہ خصلت جو حق و صداقت کی راہ
میں رکاوٹ بن گئی ۱۱۲
حضرت موسیٰؑ کی دعوت اور قوم فرعون کے
مومن کے وعظ میں مشترک بات ۱۱۴
دکھتی رگ کو پکڑنا ۱۱۵
نفع بخش اور فریبی دھوکہ باز کے درمیان
تمیز کی دعوت ۱۱۶
وہ آخری بات جو ہر مخلص مبلغ کہا کرتا ہے! ۱۱۷

خطبہ (٧) خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم
کی دعوت و حکمت کے دو نمونے ۱۱۹-۱۳۴

پہلا نمونہ - کوہ صفا پر آپ کی دعوت ۱۱۹
عالم محسوسات اور عالم غیب کے درمیان نبوت
ایک پل ہے ۱۲۰
عقل کا کام کب شروع ہوتا ہے ۱۲۰
پیغمبرانہ تعلیمات سے عربوں کا بڑی مشکلات کا سبب تھا ۱۲۱

www.abulhasanalinadwi.org

آنحضرتؐ نے ایسی قوم کو مخاطب فرمایا جسکو دین کی الف، بے نہیں آتی تھی	۱۲۲	احسان وکرم صرف اللہ اور اس کے رسول کا ہے	۱۳۶
انبیاء کرام معمولی اشیاء سے بڑے دور رس نتائج نکالتے ہیں۔	۱۲۳	دل کی تہوں میں جاگزیں محبت اور ایمان ویقین کا ابھارنا	۱۳۷
رسول کریمؐ عربوں کے مزاج وعادات سے واقف تھے	۱۲۴	چند حقیر اشیاء کے لئے آپ ہم سے ناراض ہیں	۱۳۸
اندرونی دشمن بیرونی دشمن سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے	۱۲۵	انصار میرے ہیں اور میں ان کا ہوں	۱۳۹
صحیح آواز صحیح موقع پر	۱۲۶	انسانی ادب کا اعلیٰ ترین نمونہ	۱۴۰
عرب منصف مزاج، بہادر اور سچے لوگ تھے	۱۲۷	خطبہ (۸) حکمران حبشہ کے دربار میں حضرت جعفر بن ابی طالبؓ۔ اسلام اور مسلمانوں کے نمائندہ کی حیثیت سے	۱۴۱-۱۵۲
فلاسفر اور دانشوروں کی جاہلانہ ضد	۱۲۸	اس امامت کے سابقین میں سے ایک داعی کی دعوت وحکمت کا نمونہ	۱۴۱
سارا مسئلہ ایک نادیدہ عالم پر ایمان لانے کا ہے	۱۲۹	وہ نازک اور خوف وہراس کا عالم جس نے اس گفتگو کی تقریب پیدا کی	۱۴۲
انبیائے کرام کوہ رسالت کی چوٹی پر ہوتے ہیں جہاں سے وہ محسوسات کی دنیا اور عالم غیب دونوں کو دیکھ سکتے ہیں	۱۲۹	مسلمان پناہ گزینوں کا پُرفریب اور مضرت انگیز تعارف	۱۴۴
حقیقی خطرہ جس کو اہل مکہ اور اہل زمانہ نے فراموش کر رکھا تھا	۱۳۱	نازک اور کشمکش میں ڈالنے والی پوزیشن	۱۴۵
عقائد، اعمال واخلاق کی خاصیتوں کا علم انبیاء کرام کا موضوع ہے	۱۳۲	حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا حکیمانہ طرز	۱۴۶
انبیاء کرام کے راستے تحقیق وتجزیہ کرنے والوں کے راستوں سے مختلف ہیں	۱۳۲	نجاشی کے دربار میں	۱۴۸
انبیاء کرام کا آخری جواب	۱۳۳	ایوان شاہی میں حضرت جعفر کی تقریر کا اثر	۱۴۹
پیغمبرانہ حکمت اور عقلی بلاغت کا ایک نادر نمونہ	۱۳۵-۱۴۰	عقیدہ کی آزمائش اور حاضر جوابی	۱۵۰
		ایک ذہنی ودعوتی معرکہ میں فتح ونصرت	۱۵۱

www.abulhasanalinadwi.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝

(حٰمٓ السجدۃ - ۳۳)

(اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو (لوگوں کو) خدا کی طرف بلائے اور (خود بھی) نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔)

www.abulhasanalinadwi.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

چودھویں صدی کا اختتامی سال دارالعلوم ندوۃ العلماء کے لئے ایک نہایت مبارک سال ثابت ہوا کہ اس میں دارالعلوم میں ایک اہم کام کا آغاز کیا گیا، ایک مستقل تعلیمی ادارہ اس غرض سے قائم ہوا کہ اس میں طلبہ کو دعوت وتبلیغ کے اصول بتائے جائیں اور اسلامی فکر کی تربیت دی جائے، اس معہد کا نام "المعہد العالی للدعوۃ والفکر الإسلامی" تجویز ہوا اس کا پہلا تعلیمی سال بہت ہی کامیابی کے ساتھ مکمل ہوا کہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے قرآن کریم کے اسلوب دعوت پر اور عالم اسلام کے مشہور فاضل ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے فکر اسلامی کے موضوع پر محاضرات (لکچرز) دیئے۔

جہاں تک قرآن کے اسلوب دعوت کا تعلق ہے وہ نہ صرف یہ کہ اس معہد کا اہم ترین موضوع تھا بلکہ خود دارالعلوم کے تربیتی تخیل کا آئینہ دار تھا، ندوہ کی تاسیس جن مقاصد کے لئے ہوئی تھی، ان میں اہم ترین مقصد دعوت دین کے لئے ذہنی وعلمی تربیت دینا تھا، اگر آپ ندوہ کے نصاب پر ایک نظر ڈالیں تو صاف نظر آئے گا کہ پورا نصاب جس محور کے گرد گھومتا ہے وہ قرآن کریم اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ ہے اور تبلیغ ودعوت کی روح اس پورے نصاب میں کارفرما ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

دارالعلوم ندوۃ العلماء نے عربی زبان کو ایک ایسی زندہ زبان کی طرح پڑھانے کا نظم کیا جو صرف کتابوں میں محدود نہیں ہے، بلکہ وہ تقریر و تحریر، علم و ادب، تبلیغ و دعوت اور سیاست و صحافت کی بھی زبان ہے، برصغیر کی درسگاہوں کے درمیان اللہ تعالیٰ نے ندوہ کو اس خصوصی توفیق سے نوازا جس کا محرک سوائے اس کے کچھ بھی نہیں ہے کہ عربی زبان دعوت دین کا اولین ذریعہ ہے اس کے ذریعہ قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی تہہ تک پہونچا جا سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ	اور ہم نے جس پیغمبر کو بھیجا اس کی زبان وہی
قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ	تھی جو اس کے بھائی بندوں کی زبان تھی
(ابراہیم - ۴)	تاکہ وہ واضح کر کے بتا سکے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نصاب تعلیم کی یہ خصوصیت ہے کہ اس نے برصغیر کے مدارس میں پہلی مرتبہ قرآن کریم کا نص (متن) (سلف کی تفسیروں کی روشنی میں) نصاب میں داخل کیا، قرآن کریم اور ادب عربی یہی دو بنیادی عناصر ہیں جن سے دعوت و تبلیغ کا ذہن تیار ہو سکتا ہے، اور اس کی صلاحیت و قدرت پیدا ہو سکتی ہے، اور جب تک کہ قرآن کریم سے شغف نہ ہو اور وہ ایک زندہ کتاب کی طرح نہ پڑھا جائے اور عربی زبان کا صحیح مذاق حاصل نہ ہو اس وقت تک دین کی صحیح فکر اس کے اولین مآخذ سے حاصل نہیں کی جا سکتی۔

ایک داعی اور مبلغ میں کیا خصوصیات ہونی چاہئیں، اس کو کس طرح کا انداز گفتگو اختیار کرنا چاہئے، وہ "حکمت" کیا ہے جو تبلیغ دین کے لئے ضروری ہے، اور جس کے بارے میں قرآن کریم کی ہدایت ہے۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ	اے پیغمبر لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت

www.abulhasanalinadwi.org

وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔ (النحل۔۱۲۵) سے اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلاؤ۔

ان سوالات کے تمام جوابات خود قرآن کریم میں موجود ہیں اور وہ اتنے اچھوتے اور نرالے انداز میں ہیں کہ اس سے زیادہ دلنشیں انداز کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا ہے، قرآن کریم نے قصص کے ضمن میں انبیاء کرام کے مکالمات نقل کئے ہیں اور یہ بتایا ہے کہ ان سے اگر کسی نے کج بحثی (مجادلہ) کی تو انھوں نے کس انداز سے اس کا منہ بند کیا اللہ کی طرف سے بشارت کس لہجے میں سنائی؟ نافرمانوں کو وعید کس اسلوب میں دی گئی؟ دعوت کن الفاظ میں کس طریقہ سے اور کس اسلوب سے دی؟ یہ بنیادی اصول ہیں جن سے کوئی مبلّغ دین بے نیاز نہیں ہوسکتا اور کسی ملک میں اور کسی زمانہ میں بھی انبیاء کرام کے طریقۂ کار کو نظر انداز کرکے دین کی دعوت نہیں دی جاسکتی۔

اس معہد کی خوش نصیبی ہے کہ حضرت الاستاذ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ العالی نے اس موضوع پر محاضرات کا سلسلہ شروع فرمایا اور یہ معہد ان ہی کی توجہات کا ثمرہ اور ان آرزوؤں کا حاصل ہے جو بانیانِ ندوۃ العلماء کے دل ودماغ میں پرورش پاتی رہی تھیں۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ سے بہتر اس موضوع کا حق شاید ہی کوئی ادا کرسکتا اس لئے کہ اولاً آپ کو اللہ تعالیٰ نے عربی زبان کا وہ ذوق دیا ہے جو اہلِ زبان کو عطا ہوتا ہے، اور اہلِ زبان میں بھی ان کو ملتا ہے جن کے اندر فطری و وجدانی ذوق ہوتا ہے اور جس کو وہ اپنے علم و مطالعہ سے جِلا دیتے ہیں، دوسرے اس لئے کہ قرآن کریم آپ کا خاص موضوع ہے، اسی کے طالب علم رہے ہیں، اور سالہا سال اس کی تعلیم دی ہے اس کا ذوق ان کے ریشہ ریشہ میں اس طرح سرایت کئے ہوئے ہے۔ ع

www.abulhasanalinadwi.org

شاخِ گل میں جس طرح بادِ سحر گاہی کا نم

مولانا نے تبلیغ و دعوت کا کام عمومی درس قرآن سے شروع کیا تھا جس کا سلسلہ "ادارۂ تعلیمات اسلام" اور لکھنؤ کے تبلیغی مرکز میں سالہا سال جاری رہا اور جس میں شہر کے اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات، اہل علم اور عامۃ المسلمین بڑی تعداد میں بڑے ذوق و شوق سے شرکت کرتے تھے، دار العلوم ندوۃ العلماء میں بھی تقریباً دس سال تک آپ نے مختلف درجات میں قرآن مجید کا درس دیا، ان کی تصنیفات اور تحریروں میں قرآن مجید کے مطالعہ و تدبّر اور ذوق و شغف کا فیض صاف نظر آتا ہے، اور وہ ان کی تقریر و تحریر کی تاثیر کا راز ہے، یہ مصرعہ ان کے حسب حال ہے۔ ع

اُنچہ کردم ہمہ از دولتِ قرآن کردم

مزید برآں آپ کے متعدد مقالات اور مستقل کتابیں موجود ہیں، جو قرآن کریم کے بعض اہم مسائل و مباحث کی فکر انگیز تفسیر تسلیم کی گئی ہیں، اردو میں "مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی" اس کا ایک نمونہ ہے (جو آپ کے ان افادات و مضامین کا مجموعہ ہے جو ۱۹۴۰ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں اثنائے درس میں مرتب و قلمبند ہوئے تھے) سورۂ کہف کی تفسیر میں آپ کی مستقل کتاب جو اصلاً عربی میں الصراع بین الایمان والمادیۃ او تأملات فی سورۃ الکہف" کے عنوان سے شائع ہوئی پھر اس کا ترجمہ اردو اور انگریزی میں شائع ہوا، ماثورہ دعاؤں کی ادبی بلاغت کو ایک مقالہ میں قلمبند فرما چکے ہیں جس میں دکھایا ہے کہ جامعیت اور انسانی ضروریات کا اس درجہ ادراک اور باریک بینی کے ساتھ ہر ہر حاجت کو سامنے لاکر اس کے لئے مناسب ترین الفاظ میں دعا کرنا بلاغت نبوی کا معجزانہ اسلوب ہے۔

پیش نظر خطبات دراصل وہ لکچرز ہیں جو آپ نے عربی میں معہد عالی کے طلبہ کے

www.abulhasanalinadwi.org

سامنے دیئے تھے ان کو ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ یکجا کیا گیا مولانا کی نظر ثانی کے بعد "روائع من ادب الدعوۃ فی القرآن والسیرۃ" کے نام سے یہ کتاب مطبع ندوۃ العلماء سے شائع ہوئی۔

میں اپنے عزیز طلبہ مولوی ظریف احمد اور مولوی محمد صدر الحسن کا شکر گزار ہوں کہ ان عربی محاضرات کے جمع کرنے اور ان کو مرتب کر کے نقل کرنے میں انھوں نے گراں قدر مدد کی۔

مقام مسرت ہے کہ اس کتاب کے عربی سے اردو میں منتقل کرنے کا نازک اور مشکل کام اسی درسگاہ کے ایک لائق و نامور فاضل اور دونوں زبانوں کا پاکیزہ ذوق رکھنے والے اور صاحب قلم ڈاکٹر مولانا عبداللہ عباس ندوی استاذ جامعۃ الملک عبدالعزیز مکہ معظمہ کے ہاتھوں انجام پایا، جو اس خدمت کے لئے ہر طرح موزوں تھے اور جو اس کی بہتر سے بہتر صلاحیت رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان خطبات سے علماء و مبلغین اور عام مسلمانوں کو مستفید فرمائے اور اس سلسلہ کو نافع بنائے اور مولانا مدظلہ کی عمر و صحت میں برکت عطا فرمائے۔

واللہ ولی التوفیق وبہ الثقۃ

محمد رابع حسنی ندوی

(صدر معہد دعوت و فکر اسلامی)

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۶/۵/۱۴۰۱ھ

۲۳/۳/۱۹۸۱ء

www.abulhasanalinadwi.org

عرض مترجم

موضوع کا تعارف

ان خطبات کا ترجمہ شروع کرتے وقت اتنا تو مجھے یقین تھا کہ قرآن فہمی کی راہ میں کچھ نئے نکات سامنے آئیں گے، جیسا کہ مخدوم و مربّی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی ہر تقریر و تحریر میں کوئی نہ کوئی فکر انگیز پہلو ضرور ہوتا ہے، ان خطبات میں بھی یقیناً کوئی ندرت ہوگی لیکن یہ خیال نہیں گزرا تھا کہ محاضرات کا یہ مختصر مجموعہ (جو کسی مستقل تصنیف کی ضخامت نہیں رکھتا) قرآن کریم سے استفادہ کی نئی شاہراہ کھولنے والا ثابت ہوگا، اور اس کی حیثیت ایک علمی "دریافت" کی ہوگی، قرآن کریم کے وصف میں حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے "لاتنقضی عجائبہ" یعنی قرآن کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوتے، یہ مجموعۂ محاضرات بھی اس کا بیّن ثبوت ہے کہ ڈیڑھ ہزار برس گزرنے کے بعد بھی اور جبکہ ہزاروں نہیں بلا مبالغہ لاکھوں کام قرآن کریم کے سلسلہ میں ہو چکے ہیں، اب بھی ایک موضوع ایسا نظر آتا ہے کہ گویا یہ آئتیں آج ہی اتری ہیں، ان کی تازگی و شادابی میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا۔

دعوت الی اللہ کی اہمیت و فرضیت سب جانتے ہیں "حکمت" و "موعظت حسنہ" کے دو کلیدی اصول سے تمام اہل علم واقف ہیں، لیکن اس کی طرف کسی کی نگاہ نہیں گئی کہ

www.abulhasanalinadwi.org

قرآن کریم نے "حکمت و موعظت حسنہ" کو مبہم نہیں چھوڑا ہے، بلکہ انبیائے کرام کی دعوت کے نمونے دے کر اس کے خطوط و حدود واضح کر دیئے ہیں، جن کی موجودگی میں دعوت دین کا کام کرنے والوں کو کسی تحریک یا ازم سے طریق کار (TACTICS) مستعار لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس لحاظ سے یہ کتاب قرآنی علوم میں ایک اہم اضافہ ہے جو اپنے اختصار کے باوجود ضخیم جلدوں پر بھاری ہے۔

یہ مجموعۂ محاضرات اگرچہ انبیائے کرام کی دعوت کے نمونوں پر مشتمل ہے اور یہی اس کا موضوع ہے لیکن اس سے دو ضمنی فوائد بھی حاصل ہوں گے، ایک یہ کہ قرآن کریم کی بلاغت کی چند جھلکیاں نظر آئیں گی، انبیائے کرام خصوصاً حضرت ابراہیم و حضرت یوسف علیہما السلام کے تذکروں میں قرآنی بلاغت کے نازک ترین پہلوؤں کی بہت دلنشیں انداز میں وضاحت کی گئی ہے، مثال کے طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے والد کو دین حق کی دعوت دی تو کیا لہجہ اختیار کیا، کس طرح ان کی پدرانہ شفقت کو اپیل کی، حضرت مصنف مدظلہ نے جس والہانہ انداز میں اس کو واضح کیا ہے، اس کی اصلی قدر تو عرب یونیورسٹیوں کے اساتذۂ ادب و بلاغت ہی کریں گے یا وہ حضرات جنھوں نے شیخ عبدالقاہر جرجانی کی "اسرار البلاغۃ" اور "دلائل الاعجاز"، امام یحییٰ بن حمزہ یمانی کی "الطراز"، ابوہلال العسکری کی "کتاب الصناعتین" اور امام سیوطی کی "معترک الاقران" کا مطالعہ کیا ہے۔

یہ بات اپنی جگہ پر فکر اور افسوس کی ہے کہ قرآن کریم کی بلاغت جو ایک بدیہی حقیقت ہے اور جس کے بارے میں قرآن کریم نے متعدد مقامات پر تحدی کی ہے کہ کوئی اس کے مماثل چند آیات وضع نہیں کر سکتا، یہ معجزہ عربیت کا صحیح مذاق نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے لئے "ایمان بالغیب" کے درجہ میں داخل ہو گیا، اور اب ہم قرآن کریم کی بلاغت پر اس طرح ایمان رکھتے ہیں،

www.abulhasanalinadwi.org

جس طرح حشر و نشر اور بعث بعد الموت پر، حالانکہ یہ حسّی چیز تھی، اور حق یہ تھا کہ اس کی عظمت کا ادراک ہیں، بلا واسطہ اور براہ راست ہوتا، ان محاضرات کے ذریعہ پورے قرآن کریم کی نہ سہی چند آیات کی بلاغت کی ایک جھلک ضرور مل جائے گی اور قرآن کریم پر اپنی محنت و ذہانت صرف کرنے والے طالبین کو کام کرنے کی ایک مستقل راہ مل جائے گی۔

ان محاضرات میں جہاں دعوتوں کے نمونے دیئے گئے ہیں، وہاں دعوت دینے والوں (دُعاۃ) کی سیرتیں بھی نظر آجاتی ہیں، ان کی صداقت و امانت، خیال و عمل کی پاکیزگی، ہر حال میں اپنے مقصد اصلی، دعوت توحید، کو پیش نظر رکھنا، مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام پر دوہری ذمہ داری تھی، اپنی قوم کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانا، اور توحید کی دعوت دینا لیکن انھوں نے دعوت الی اللہ کے کام کو مؤخر نہیں کیا، یہ ترتیب نہیں قائم کی کہ پہلے غلامی سے نجات حاصل کرلیں، پھر اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی تبلیغ کریں گے، دوسری بات یہ نظر آتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تک ہر ایک نے دعوت الی اللہ کا کام انتہائی بے بسی اور کس مپرسی کے عالم میں شروع کیا، اور اللہ تعالیٰ نے انھیں بعد میں قوت و غلبہ عطا فرمایا اور یہی دین فطرت کا تقاضا تھا، تمام مخلوقات کی ابتداء (وَهُنًا عَلٰى وَهْنٍ) کمزوری و ناتوانی سے ہوتی ہے پھر قوت و صلابت بخشی جاتی ہے، لہٰذا دعوت الی اللہ کی ترتیب فطرت کے مطابق اور سنت الٰہی کے موافق وہی ہے جس کی تصویر انبیائے کرام علیہم السلام کے نمونوں میں ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے، اس کتاب کے ذریعہ قرآن کریم اور اسلام کی ابدیت پر یقین میں اضافہ کا ایک نیا سامان حاصل ہوگیا، اللہ تعالیٰ حضرت مصنف مدظلہ کی عمر و صحت میں برکتیں عطا فرمائے، جن کے "نفس گرم" سے علم و معرفت کا بازار گرم ہے۔

خاکسار **عبد اللہ عباس** الندوی

۲۷/۵/۱۴۰۱ھ
۳/۴/۱۹۸۱ء

www.abulhasanalinadwi.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبہ (۱)

دعوت دین میں حکمت و وسعت
اور
ہر زمان و مکان کے لئے اس کی ہم آہنگی

خطبۂ مسنونہ کے بعد:-

ایک دیرینہ آرزو کی تکمیل

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ آج آپ سے ایسے موضوع پر خطاب کرنے کا موقعہ مل رہا ہے جو میرے دل کی دیرینہ آرزو کی تکمیل ہے، بلکہ قرآن کریم کی اس آیت کو اپنے حسب حال پاتا ہوں۔

هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ	یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے
جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا۔	پہلے دیکھا تھا، میرے پروردگار نے اسے
(یوسف - ۱۰۰)	سچ کر دیا۔

ہم آپ آج دعوت و تبلیغ دین کے اصول و اسلوب اور اس کے طریق کار کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے جمع ہوئے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ موضوع اس ادارہ کی اصل روح ہے جو آج سے نوّے سال قبل قائم ہوا تھا۔

www.abulhasanalinadwi.org

قرآن کریم کا اسلوب دعوت کیا ہے؟ یا یوں پوچھئے کہ قرآن کریم دین کی دعوت دینے والے مبلغ کو کیا ہدایت دیتا ہے؟ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام نے دعوت دین کس طریقے پر اور کن اصولوں پر پیش کی؟ قرآن داعی اور مبلغ کے لئے کیا اوصاف و خصوصیات پسند کرتا ہے؟ کیا دعوت کے متعین حدود اور طریقے مقرر ہیں، جن کا ایک مبلغ پابند ہو سکے، اور جنھیں ایک طالب علم تبلیغ کی درسگاہ میں سیکھ سکے؟

یہ موضوع بہت ہی اہم ہے، قرآن کریم سے اس کا براہ راست تعلق ہے اور تبلیغ دین کے موضوع سے بھی اسی طرح اس کا تعلق ہے، اور جب اس موضوع کے تحت اس کے دو تابناک اور ولولہ انگیز پہلو جمع ہو رہے ہوں تو اس کی اہمیت و عظمت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

قرآن کریم کا موضوع دعوت و ہدایت ہے

قرآن کریم ہدایت و دعوت کی کتاب ہے، اور احکام و شریعت کی بھی کتاب ہے، لیکن اس کے اندر دعوت و ہدایت کا پہلو دوسرے پہلوؤں پر غالب ہے، شریعت و احکام کی اہمیت سے انکار نہیں، اس کی عظمت سر آنکھوں پر، لیکن سوال اولیت و اہمیت کا ہے، کون سا پہلو زیادہ اہمیت رکھتا ہے، اور کس کو اولیت حاصل ہے، اس لحاظ سے اگر دیکھیں تو میرا حقیر مطالعہ یہ ہے کہ شریعت و احکام کے مقابلہ میں دعوت و ہدایت کا پہلو قرآن کریم میں غالب ہے، کیونکہ ایمان کی بنیاد ہدایت پر ہے اور تبلیغ پر اس ایمان کے حصول کا دارومدار ہے، لہٰذا یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دوسرے تمام مضامین و مقاصد پر ہدایت و دعوت کا عنصر قرآن کریم میں نمایاں طور پر غالب ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

دعوت و تبلیغ کا کام قوانین وضوابط کا پابند نہیں ہے

قرآن کریم نے دعوت و تبلیغ کے کیا اصول بتائے ہیں؟ وہ کیا ضابطے ہیں جن کی پابندی کرنے کا قرآن نے حکم دیا ہے؟ کیا قرآن کریم میں ہمیں تبلیغ و دعوت کے متعین قوانین اور اس کے بے لچک حدود بتائے گئے ہیں۔؟

میرا خیال ہے دعوت کے طریق کار کو قانون وضابطہ کی زبان میں نہیں بیان کیا گیا ہے اور نہ ایسا کرنا قرین مصلحت اور مقتضائے حکمت تھا، دعوت و تبلیغ کا انداز ماحول اور گرد و پیش کے حالات، مخاطبین کے طبائع اور دین کے مصالح کے مطابق متعین ہوتا ہے۔

چونکہ دعوت کو "صورت حال" کا سامنا کرنا ہوتا ہے اور "صورت حال" ہمیشہ بدلتی رہتی ہے، اس لئے دعوت کے کام میں "حاضر کلامی" اور حاضر دماغی دونوں کی ضرورت ہے، مزید یہ کہ دعوت پیش کرنے والوں کو انسانی نفسیات سے گہری واقفیت اور اس کی دکھتی رگوں اور سوسائٹی کے کمزور پہلوؤں پر انگلی رکھ کر بتانا ہوتا ہے، اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مبلغ کو یہ بات کرنی چاہئے، یہ نہیں کرنی چاہئے، اور یہ کام کرنا چاہئے، اور یہ نہیں کرنا چاہئے اس کو ایسا اسلوب اختیار کرنا چاہئے اور لوگوں کے سامنے دعوت کو اس طرح پیش کرنا چاہئے، اس کے یہ حدود و ضوابط ہیں، خواہ وہ قوانین کے مرکزی خطوط (OUT LINE) ہوں، کیونکہ ہر بدلتے ہوئے معاشرے اور تبدیل شدہ صورت حال سے اس کو نمٹنا ہوتا ہے۔

اگر قوانین وضوابط میں اس کو جکڑ دیا جائے تو وہی حال ہوگا جو ایک صاحب کو اپنے ملازم کے ساتھ پیش آیا تھا، جو ایک لطیفہ میں بیان کیا جاتا ہے کہ کسی صاحب نے

www.abulhasanalinadwi.org

ایک ملازم رکھا، ملازم ضرورت سے زیادہ "تانونی" واقع ہوا تھا، اس نے مطالبہ کیا کہ مجھے میرے فرائض بتا اور نوٹ کرا دیئے جائیں، چنانچہ ایک فہرست تیار ہوئی کہ فلاں وقت بازار سے سودا لانا ہے، فلاں وقت گھر صاف کرنا ہے، فلاں وقت یہ کام کرنا اور فلاں وقت وہ کام کرنا ہوگا، ملازم نے ان خدمات پر اپنے آپ کو مامور سمجھا جن کی تفصیل اس کی فہرست میں درج تھی، خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک بار وہ صاحب جنھوں نے ملازم رکھا تھا، گھوڑے پر سوار تھے، وہ اترنا چاہتے تھے، پاؤں رکاب میں پھنس گیا، اور ان کی جان پر بن گئی، اب گھوڑا بھاگ رہا ہے اور یہ گھسٹتے ہوئے جا رہے ہیں، اسی حال میں ملازم پر نظر پڑی چیخ کر آواز دی کہ جلد آ اور میری جان بچا، ملازم نے کہا، ذرا ٹھہریئے میں اپنی فہرست میں دیکھ لوں کہ آیا یہ خدمت بھی میرے فرائض میں ہے یا نہیں؟ اس وقت جب کہ آقا کی جان جا رہی ہے، اور وہ موت وحیات کی کشمکش میں ہے، ملازم صاحب نے اپنے اصول وضوابط پر عمل کیا اور آقا اسی ضابطہ پرستی کی نذر ہو گئے، اور ملازم ان کے کچھ کام نہ آیا، عربوں کو اللہ تعالیٰ نے تجربات سے فائدہ اٹھانے کی بڑی صلاحیت بخشی ہے، اور ان کے اندر فطرۃً سلامت روی پائی جاتی ہے، ان کے کسی شاعر کا یہ خوب شعر ہے ؎

إذا كنت في حاجة مرسلا

فأرسل حكيما ولا توصه

یعنی اگر تمھیں کسی کام سے کوئی آدمی کہیں بھیجنا پڑے تو اس کے لئے ایک عقیل وفہیم آدمی کا انتخاب کر لو اور اس کو (تفصیلی) ہدایتیں نہ دو، کیونکہ وہ خود اپنی سمجھ سے موقع محل کی مناسبت دیکھ کر وہ کام کرے گا جو تمہارے حقیقی منشا کے مطابق ہوگا۔

www.abulhasanalinadwi.org

دعوت کے زمانی اور مکانی حدود

دعوت دین بہت نازک کام ہے، اور اس کی وسعت کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے، اس کے کچھ حدود مکانی ہیں، اور کچھ زمانی، اور دونوں انتہائی وسیع اور پھیلے ہوئے، زمانے کے لحاظ سے دیکھئے تو اس کا زمانہ اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب کہ کسی پیغمبر نے دعوت کا آغاز کیا یا غیر پیغمبر نے اس دعوت کی ابتداء کی اور اس کی انتہا کوئی بھی نہیں ہے، اسی طرح اس کا مقام (مکانی حدود) بھی متعین نہیں کیا جاسکتا، ہوسکتا ہے کہ داعی مشرق میں ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مغرب میں ہو یا مشرق سے مغرب یا مغرب سے مشرق منتقل ہوجائے، لہذا اگر صرف اہل مشرق کو سمجھانے کا طریقہ اس کو معلوم ہے تو مغرب میں وہ افہام وتفہیم کا کام انجام نہیں دے سکتا، اور اگر وہ صرف اہل مغرب کے طبائع اور نفسیات سے واقف ہے تو مشرق میں اس کی دعوت برمحل اور بارآور نہیں ہوگی۔

آیت دعوت کا اختصار واعجاز اس کی وسعت اور گیرائی

قرآن کریم کا یہ اعجاز ہے کہ اس نے دعوت کے طریق کار کے حدود مقرر نہیں کئے اور یہ کام داعی کی قوت تمیز اور عقل سلیم پر چھوڑ دیا ہے، اس بات کا فیصلہ کہ کب اور کس وقت کون سا طریق کار اختیار کیا جائے اس کی طرف خود داعی کا ذوق اور عقیدہ رہنمائی کرے گا، اور اس کی دینی فکر جو اس کے احساسات واعصاب پر حکمراں ہے وہ خود طریق کار کا انتخاب کرے گی، قرآن کریم نے صرف ایک وسیع حصار قائم کردیا ہے، جس کے اندر دعوت دین کی پوری روح (اسپرٹ) سماگئی ہے، وہ آیت یہ ہے:-

www.abulhasanalinadwi.org

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ	(اے پیغمبر) لوگوں کو دانش اور نیک
وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ	نصیحت سے اپنے پروردگار کے رستے
هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ	کی طرف بلاؤ، اور بہت ہی اچھے طریق
بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ	سے ان سے مناظرہ کرو، جو اس کے
بِالْمُهْتَدِیْنَ ۝	رستے سے بھٹک گیا تمہارا پروردگار اس
(النحل - ۱۲۵)	سے خوب واقف ہے اور جو رستے پر
	چلنے والے ہیں انھیں بھی خوب جانتا ہے۔

اس آیت کریمہ کی رو سے دونوں باتیں پوری طرح عیاں ہیں، ایک داعی الی اللہ کو کتنی آزادی ہے اور کس درجہ پابندی ہے، کہاں تک وہ جا سکتا ہے اور کس حد سے آگے قدم بڑھانا ممنوع ہے، جہاں تک دعوت کی وسعت اور داعی کی آزادی کا تعلق ہے، وہ اس تعبیر سے واضح ہے کہ "اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ" (بلاؤ اپنے رب کی راہ کی طرف) اس آیت میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ ایمان کی طرف دعوت دو، یا صحیح اور سچے عقیدہ کی طرف بلاؤ، یا نماز قائم کرنے کی دعوت دو یا اخلاق حسنہ اختیار کرنے کی ترغیب دو، انسانیت کے احترام کی تلقین کرو، یہ سب نہیں کہا گیا مگر یہ تمام باتیں "سَبِیْلِ رَبِّكَ" میں سمٹ آئی ہیں، اس لفظ نے فکر و عمل کے آفاق کھول دیئے ہیں، یہ آفاق بھی محدود نہیں ہیں، اس میں دوسرے ادیان سماوی، بشری ضروریات، انسانی زندگی میں پیش آنے والی حاجتیں سب داخل ہیں "اُدْعُ" (بلاؤ) کا لفظ بھی کس درجہ وسیع معانی پر حاوی ہے، اس میں نہ اس کی قید ہے کہ وعظ و تقریر کے ذریعے بلاؤ، نہ یہ کہ تحریر کے ذریعے دعوت دو، نہ یہ کہ وعظ و تلقین ہی کا ذریعہ اختیار کرو، یہ لفظ "اُدْعُ" تمام معانی

www.abulhasanalinadwi.org

اپنے جلو میں رکھتا ہے، اور حسب موقع داعی، دعوت کا فرض کبھی پند و نصائح سے کبھی وعظ و تقریر سے اور کبھی تحریر اور دوسرے ذرائع ابلاغ سے ادا کر سکتا ہے، اور بلانے کا ہر وہ وسیلہ اختیار کر سکتا ہے، جو مشروع ہو، موثر اور نافع ہو، پھر فرمایا "سَبِيْلِ رَبِّكَ" اپنے رب کے رستے (کی طرف) اس کے علاوہ کوئی تعبیر ممکن نہیں جس میں اتنی جامعیت اور وسعت، گہرائی اور گیرائی بیک وقت موجود ہو۔

"حکمت" کا لفظ بہت ہی بلیغ اور بڑی وسعتوں کا حامل ہے، دوسری زبان میں اس کا ترجمہ آسان نہیں ہے، اسی طرح "موعظت" بھی وسیع معانی پر حاوی لفظ ہے "حسنہ" کا لفظ بھی لامحدود معانی پر مشتمل ہے، قرآن نے اس آیت میں آزادی بھی دی ہے، اور حد بندی بھی کی ہے، ایجاز و اختصار بھی ہے، اور بیان و شرح بھی۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ	اے پیغمبر! اپنے پروردگار کے رستے
وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔ (النحل۔۱۲۵)	کی طرف دانش اور نیک نصیحت سے بلاؤ۔

یہ آیت کریمہ بعثت محمدی سے پیشتر کے سب سے بڑے داعی الی اللہ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ میں نازل ہوئی ہے، یہ پورا تذکرہ اس طرح ہے:۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ	بے شک ابراہیمؑ (لوگوں کے) امام (اور)
حَنِيْفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝	خدا کے فرمانبردار تھے جو ایک طرف
شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ	کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں نہ تھے
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاٰتَيْنٰهُ	اس کی نعمتوں کے شکر گذار تھے، خدا
فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ	نے ان کو برگزیدہ کیا تھا اور (اپنی)
لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ	سیدھی راہ پر چلایا تھا، اور ہم نے

www.abulhasanalinadwi.org

اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ط
وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ٥
(النحل۔ ۱۲۰۔۱۲۳)

ان کو دنیا میں بھی خوبی دی تھی اور وہ
آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے
پھر ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ
دینِ ابراہیمؑ کی پیروی اختیار کرو جو
ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں
میں سے نہ تھے۔

اس کے بعد ارشاد ہوا :۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِيْلِ رَبِّكَ ۔ الخ

لہذا یہ آیت کریمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت توحید سے مربوط ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات سے دعوت حق کا کیا تعلق ہے اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ کے ضمن میں اس آیت کا آنا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی دعو ی طریق کار کا ایک اعلیٰ نمونہ تھے اور یہ کہ آپ کی دعوت "حکمت و موعظت حسنہ" دل پیرا کاربند تھی۔

دعوت کا ایک اہم عنصر، واقعات اور مثالیں

قرآن کریم نے دعوت کے لئے واقعات بیان کرنے اور مثالیں دینے کا اسلوب اختیار کیا ہے، دوسرے وسائل دعوت کی بہ نسبت یہ طریقہ زیادہ زود اثر اور دلنشین ہے اور مقصد کے حصول میں یہ طریقہ زیادہ مفید اور کارآمد ثابت ہوا ہے، ایک طرف قرآن کریم نے اگر تفصیلی ضابطے اور قانونی باریکیاں بتانے کو ضروری نہیں سمجھا ہے،

www.abulhasanalinadwi.org

تو دوسری طرف اس خلا کو (اگر اس کو خلا سمجھا جائے جو درحقیقت خلا نہیں ہے) انبیاء کرام کی سیرت اور ان کے مواعظ اور دعوت پر مکالموں کے نمونوں سے پُر کیا ہے، یہ نمونے دلوں پر اثر اندازی کی بے انتہا قوت رکھتے ہیں، ذہن و قلب پر ان کا سحر کی مانند اثر ہوتا ہے، کیونکہ عملی نمونوں کا جو اثر ہوتا ہے وہ کسی دوسرے وسائل دعوت کا نہیں ہوسکتا، منطقی، نفسیاتی، علم کلام کے انداز کے جدلی اصول، دعوت دین کے لئے کارآمد عناصر نہیں ثابت ہوئے ہیں، تمام آسمانی صحیفوں نے شروع سے آخر تک عملی نمونوں پر اعتماد کیا ہے، یہ نمونے اور مثالیں ادبی شہ پارے ہیں جو دلوں کو موہ لیتے ہیں۔

ان میں سے اکثر واقعات چار برگزیدہ پیغمبروں کی سیرتوں سے ماخوذ ہیں، وہ انبیاء کرام حضرت ابراہیم علیہ السلام، دوسرے حضرت یوسف علیہ السلام، تیسرے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آخر میں خاتم الانبیاء والرسل محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ایک مومن کی دعوت کا نمونہ جو اپنا ایمان مخفی رکھے ہوئے تھا

دعوت کے سلسلہ میں ایک اہم نکتہ ہے جس کو قرآن نے فراموش نہیں کیا ہے وہ یہ کہ دعوت کا کام صرف انبیاء کرام تک محدود نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو لوگوں کو یہ کہنے کا موقع مل سکتا تھا کہ ہم کہاں اور اللہ کے پیغمبر کہاں، وہ لوگ اللہ کی نوازش خاص سے بہرہ مند تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے نبوت اور وحی سے نوازا تھا، روح القدس سے ان کی تائید و تقویت کا انتظام فرمایا گیا تھا، ہم عاجز بندے کس طرح ان برگزیدہ انبیاء کرام کی نقل کرسکتے ہیں، ان کے نقش قدم پر چلنا ہمارے بس میں نہیں ہے۔

قرآن مجید نے اس سبب سے ایک مثال ایسے شخص کی دی ہے جو نبی نہیں تھا،

www.abulhasanalinadwi.org

اور نہ پیغمبروں کے ممتاز اور جلیل القدر ہم نشینوں میں تھا، ایک مومن تھا، فرعون کی قوم کا فرد تھا، قرآن کریم نے صرف اس قدر بتایا ہے :۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ (المؤمن - ۲۸)

اور فرعون کے لوگوں میں سے ایک مومن شخص نے (جو اپنے ایمان کو مخفی رکھتا تھا) کہا۔

یعنی اس کے حالات اور ماحول نے اس کو دین کے اعلان کا موقع بھی نہیں دیا تھا، خواہ وہ ایمانی قوت کے لحاظ سے جس قدر بھی بلند رہا ہو مگر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی طرح یا حضرت ابوذرؓ کی طرح اپنے ایمان کا اظہار نہ کر سکا لیکن وہ مومن تھے اور اپنے ایمان کو اب تک چھپائے ہوئے تھے، انھوں نے اپنے بھائی بندوں کے خلاف جنگ نہیں کی اور ایک دوست، خیر خواہ اور اپنے دوستوں اور بھائیوں کا بہی خواہ بن کر انھوں نے دعوتِ دین کا فرض انجام دیا، ایک صاحبِ ادراک و بصیرت داعی کے لئے اس واقعہ میں ایک نمونہ ہے، اگر وہ اسی صورت حال سے دوچار ہو اور دینی مصلحت کا تقاضہ ہو، اور اس شخص کے لئے بھی نمونہ ہے جو اگرچہ ایسی صورت حال سے دوچار نہیں ہے، مگر کلام کے انداز اور حقیقت سے آگاہ کرنے کا اسلوب، ماضی کے عبرتناک واقعات اور انجام کار کے نتائج سے باخبر کرنے کا طریقہ اس واقعہ سے اخذ کر سکتا ہے :۔

وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (النساء - ۹۵)

اور اللہ نے ان دونوں طبقوں کے لئے بہتر نعمتوں کے وعدے کئے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

خُطبہ (۲)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کے دو نمونے

مناسب ہوگا کہ آج ہماری مجلس کا موضوع حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کے دو نمونے ہمیں ملتے ہیں، اگر ہم ان دونوں نمونوں کو سامنے رکھیں اور ان کا باہمی موازنہ کریں تو محسوس ہوگا کہ "حکمت" (جو دعوت کا اولیں عنصر ہے) کس درجہ کمالِ حسن کے ساتھ ان کی دعوت میں جلوہ گر ہے اور پیغمبرانہ اندازِ تبلیغ کی مکمل نمائندگی ان کے طرزِ خطاب میں موجود ہے۔

ایک نمونہ تو وہ ہے جبکہ انھوں نے اپنے والد کو دینِ حق کی دعوت دی، اور دوسرا نمونہ وہ ہے جس میں انھوں نے اپنی قوم کو مخاطب فرمایا، ان دونوں دعوتوں کے اندازِ بیان میں حکیمانہ تنوع پایا جاتا ہے، صرف اندازِ گفتگو اور پیرایۂ بیان ہی میں فرق نہیں ہے بلکہ موقع کا لحاظ اور مخاطب کی نفسیات کا گہرا علم بھی جھلکتا ہے، اور یہ کہ کس طرح دل کی پہنائیوں میں بات اتار دی جائے، آپ اگر ان آیات کو پڑھیں جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اُس گفتگو کو نقل فرمایا گیا ہے، جو انھوں نے اپنے والد کو دین کی طرف بلانے کے سلسلے میں کی، پھر اس خطاب کو ملاحظہ فرمایئے، جو انھوں نے اپنی قوم سے کیا، تو آپ کو دونوں میں واضح فرق نظر آئے گا۔

www.abulhasanalinadwi.org

ایک فرزند اپنے باپ کو دین کی دعوت دیتا ہے

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ	اور کتاب میں ابراہیم کو یاد کرو، بیشک وہ
صِدِّيْقًا نَّبِيًّا اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ	نہایت سچے پیغمبر تھے جب انھوں نے اپنے
لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ	باپ سے کہا کہ ابا آپ ایسی چیزوں کو کیوں
عَنْكَ شَيْـًٔا يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ	پوجتے ہیں جو نہ سنیں اور نہ دیکھیں اور
مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ	نہ آپ کے کچھ کام آسکیں؟ ابا مجھے ایسا
اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا يٰۤاَبَتِ	علم ملا ہے جو آپ کو نہیں ملا تو میرے ساتھ
لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ اِنَّ الشَّيْطٰنَ	ہو جیئے میں آپ کو سیدھی راہ پر چلا دوں گا
كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ	ابا شیطان کی پرستش نہ کیجئے، بیشک
اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ	شیطان خدا کا نافرمان ہے ابا مجھے ڈر
الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا	لگتا ہے کہ آپ کو خدا کا عذاب آپکڑے تو
(مریم ۔ ۴۵ ۔ ۴۱)	آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیں۔

ان آیات میں حسب ذیل امور واضح طور پر نظر آئیں گے۔

(۱) پدرانہ شفقت کے جذبہ کو ابھارا گیا ہے :۔

یٰۤاَبَتِ کے طرز خطاب پر غور کیجئے، میرے باپ (یا میرے اباجان، میرے بابا، جس طرح بھی آپ ترجمہ کریں) اس انداز خطاب میں بیٹے کی سعادت مندی، محبت اور فروتنی پوری طرح نمایاں ہے اس انداز خطاب کے لطف کو سمجھنا ذوق سلیم پر موقوف ہے، حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم کی زبان سے آشنا کیا ہے،

www.abulhasanalinadwi.org

اور وہ اس کے لہجے کی روح کو سمجھتے ہیں، ان کے بارے میں نقل کیا گیا ہے کہ جب وہ ایسی آیت پڑھتے تھے جن میں عذاب الٰہی کا ذکر ہوتا ہے تو ان کی آواز میں لرزش آجاتی تھی، اور چہرہ ڈر سے سرخ ہو جاتا تھا، اور جب ان آیات کو پڑھتے جن میں اللہ تعالیٰ کی بخشش و رحمت کا ذکر ہے تو ان کا دل پسیجتا اور آواز میں محبت کا سوز اور نرمی نمایاں ہوتی، جب ایک فرزند اپنے باپ کو میرے بابا یا میرے ابا جان کہہ کر مخاطب کرتا ہے تو وہ اس کے جذبۂ شفقت پدری کو بیدار کرتا ہے، اگر داعیانہ تکبر کے ساتھ وہ کہتا: جناب والا! سنئے، یا اے کاہن بزرگ! غور کیجئے!! (آذر، حضرت ابراہیمؑ کے والد کاہن (معبد کے پروہت بھی تھے) تو اور ہی بات ہوتی، مگر وہ فرماتے ہیں "میرے ابا جان! (یَاَبَتِ) اور سمجھ بوجھ کر قصداً انھوں نے یہ انداز مخاطبت اختیار فرمایا تھا کہ ان کی بات دل کی گہرائیوں تک پہونچ جائے، اور پدرانہ محبت دل کے دروازے کھول دے، ایک باپ خواہ وہ جتنا بھی اپنے فرزند سے خفا ہو لیکن جب وہ اس کو "میرے ابا جان" کہہ کر مخاطب کرتا ہے تو اس کا دل نرم پڑ جاتا ہے، اور اس کی بات سننے کی طرف وہ مائل ہو جاتا ہے، حضرت ابراہیمؑ نے اپنی دعوت میں جذبۂ ایمانی سے پہلے شفقت پدری کے خوابیدہ تاروں کو چھیڑا، اور یہ دیکھا گیا ہے کہ بسا اوقات محبت ایمان سے پہلے دل میں گھر کرتی ہے، ایسا بھی ممکن ہے کہ ایک شخص شفیق باپ تو ہو مگر مومن نہ ہو، اس کی شفقت کا سوتا جاری ہے اور ایمان کا سوتا خشک ہے، لہٰذا اگر اس کو دعوت دینا ہے تو اس دروازے سے داخل ہونا ہوگا جو کھلا ہوا ہے، ایک داعی و مبلغ جسے "حکمت" کی نعمت ملی ہے کبھی اس پہلو کو نظر انداز نہیں کر سکتا، اگر وہ اس پہلو کو نظر انداز کرے گا تو خود اپنی ذات کو بھی نقصان پہونچائے گا اور دعوت کو بھی، داعی و مبلغ اگر درشت مزاج ہو تو کامیاب نہیں ہو سکتا:۔

www.abulhasanalinadwi.org

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران ۱۵۹)

اور اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے چچا ابو طالب کو مخاطب فرمایا اور ایک انتہائی نازک صورت حال کے موقع پر تو خطاب اس طرح فرمایا "یا عم" (چچا جان!) یہ وہ موقع ہے جب اسلام کے بارے میں ابو طالب گوگو کے عالم میں تھے، اور قریش کے مقاطعہ کا خوف ان پر طاری تھا، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

یا عم! لو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی یساری علی أن اترك هذا الأمر حتی یظهره الله او اهلك دونه ما ترکته۔

چچا جان! اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں آفتاب اور بائیں ہاتھ میں ماہتاب بھی رکھدیں اور کہیں کہ اس مہم سے باز آجاؤ تو بھی میں اس کو نہیں چھوڑ دوں گا اور اس وقت تک اس میں لگا رہوں گا تا آنکہ اللہ اس دین کو غالب کردے یا میں اس کے پیچھے اپنی جان قربان کردوں۔

اس نرم گفتاری (جو اپنے مسلک پر پختگی کے ساتھ تھی) کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابو طالب کا انسانی جذبۂ ہمدردی اور شفقت ابھر آیا اور باوجود اس کے کہ وہ اپنے آبائی دین پر قائم رہے مگر انھوں نے کہا "یا ابن اخی!" اے میرے بھائی کے بیٹے (لفظی ترجمہ تو یہی ہوا مگر اس لہجہ میں شفقت کا اثر ہے جیسے کوئی کہے میرے بیٹے! میرے بچے!) جیسے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے خطاب فرمایا تھا، چچا جان! کہہ کر، اسی طرح جواب بھی میرے عزیز! یا میرے بیٹے کہہ کر ابو طالب نے دیا، اور فرمایا:۔

www.abulhasanalinadwi.org

اذھب یاابن اخی فقل ما احببت فواللہ ما اسلمك ابداً۔[1]

میرے بیٹے! تم اپنا کام کرتے رہو اور جو جی چاہے کہو میں اللہ کی قسم تمہیں کسی کے حوالے نہیں کروں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور دلائل کا حسن انتخاب

حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اپنے والد سے گفتگو کے وقت منطقی گرفت سے کام نہیں لیا اور نہ ایسی باتیں کہیں جن کو صرف بڑے ذہین قسم کے لوگ (INTELLEGENTS) ہی سمجھ سکیں بلکہ روز مرہ کی، آئے دن کی اور جانی بوجھی باتوں سے ابتداء کی، ایسی بات کی جو ایک بچے کی بھی سمجھ میں آسکے، اور واقعہ بھی یہی تھا کہ ان کے والد اگرچہ عمر رسیدہ تھے مگر "عقل کا بچپن" ختم نہیں ہوا تھا، لہٰذا ان سے کہا: اباجان! آپ کیوں ایسی چیز کی پرستش کرتے ہیں جو نہ سنتی ہے نہ دیکھتی ہے اور نہ کسی کام آسکے، پھر فرمایا کہ مجھ پر وہ حقیقت آشکارا ہوگئی ہے، جس کی آپ کو خبر نہیں ہے، یہ بات بھی بجائے خود ایک باپ کو خوش کرنے والی ہے کہ اس کا بیٹا علم وفہم میں، سمجھ بوجھ میں اس سے بڑھ جائے، اور یہ کوئی اچنبھے کی یا خرق عادت قسم کی بات نہیں تھی، بہت دیکھا گیا ہے کہ باپ ناخواندہ ہے، اور بیٹا پڑھ لکھ کر عالم فاضل ہوگیا ہے، یا باپ نے کم پڑھا ہے، بیٹا باپ سے بڑھ گیا ہے، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اباجان! مجھ پر وہ حقیقت آشکارا ہوگئی ہے جس کی آپ کو خبر نہیں ہے، لہٰذا میری پیروی کیجئے، میں آپ کو صحیح راستہ بتاؤں گا، اباجان! شیطان کی پرستش نہ کیجئے، شیطان، رحمان کا نافرمان ہے، ان آیات میں سے ہر آیت اپنے اندر بڑی گہرائی

[1] سیرۃ ابن ہشام ج/۱ ص ۲۶۵-۲۶۶

www.abulhasanalinadwi.org

رکھتی ہے، معانی و حکمت کے خزانے ان کے اندر بند ہیں، شیطان کا نام تو لیا مگر اس کی ماہیت اور کوئی علمی باتیں نہیں کیں، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کے والد جب اس درجہ سادہ لوحی کا کام کر سکتے ہیں کہ بت تراشی کو اپنا پیشہ بنالیں تو ان سے یہ توقع بیکار تھی کہ وہ گہری اور نازک قسم کی بات سمجھ سکیں گے، لہٰذا ان کو صرف اسقدر بتانے پر اکتفا کیا کہ ابلیس کا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ وہ خدائے رحمان و رحیم کا نافرمان ہے، آخر میں کہا ابا جان! مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں (رحمان) سب سے بڑا رحم فرمانے والے کا عذاب نہ آپ پر آجائے جس کے نتیجہ میں آپ شیطان کے گروہ کا ایک فرد بن جائیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنی قوم کو دعوت فطرت انسانی اور حقائق کی بنیاد پر گفتگو

ایک انداز بیان یا دعوت کا اسلوب وہ تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو مخاطب کرتے وقت اختیار کیا تھا جو ابھی آپ نے سنا، اب دوسرا انداز بیان یا اسلوب دیکھئے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو مخاطب کرتے وقت اختیار کیا، دونوں کا فرق خود ظاہر ہو جائے گا۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ ۝ إِذْ قَالَ	اور ان کو ابراہیمؑ کا حال پڑھ کر سنا دو، جب
لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ۝ قَالُوا	انھوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے
نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ ۝	کہا کہ تم کس چیز کو پوجتے ہو؟ وہ کہنے لگے ہم
قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ۝	بتوں کو پوجتے ہیں اور ان کی پوجا پر قائم ہیں
أَوْ يَنفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ۝	ابراہیمؑ نے کہا کہ جب تم ان کو پکارتے ہو تو
(الشعراء ۷۳-۶۹)	کیا وہ تمہاری آواز کو سنتے ہیں؟ یا تمہیں

www.abulhasanalinadwi.org

کچھ فائدے دے سکتے ہیں یا نقصان
پہنچا سکتے ہیں۔

ان آیات کریمہ پر غور کیجئے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیغمبرانہ فراست اور حکیمانہ بالغ نظری کا اندازہ کیجئے، انھوں نے اپنی قوم کے معبودان باطل کی کوئی ہجو نہیں کی، اور نہ ان کو بُرے نام سے یاد کیا، اگر ایسا کرتے تو عین ممکن تھا کہ ان کے مخاطب بپھر جاتے اور سرے سے بات سننے ہی کے لئے تیار نہ ہوتے، لہذا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بجائے خود کچھ کہنے کے انہی کو مجبور کیا کہ وہ بولیں، فرمایا: مَا تَعْبُدُوْنَ؟ کس چیز کی تم لوگ پرستش کرتے ہو۔؟

قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا	وہ کہنے لگے ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور ان کی
عٰكِفِيْنَ ۝ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ	پوجا پر قائم ہیں، ابراہیمؑ نے کہا کہ جب تم
اِذْ تَدْعُوْنَ ۝ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ	ان کو پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری آواز کو
اَوْ يَضُرُّوْنَ ۝	سنتے ہیں؟ یا تمہیں کچھ فائدے دے سکتے
(الشعراء-۷۳-۷۱)	ہیں یا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہاں منطقی دلائل سے کام نہیں لیا اور نہ فلسفیانہ موشگافی کی، صرف یہ سوال کیا کہ آیا جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا یہ تمہاری پکار سنتے ہیں؟ نفع یا نقصان پہونچاتے ہیں؟ کیونکہ انسانی زندگی انہی دو بنیادوں پر قائم ہے، انسان کو جب پکارا جائے تو سنے، پھر نفع کی اس سے امید ہو یا نقصان کا خوف ہو یہی وہ دو سرے ہیں، جن سے انسانی زندگی بندھی ہوئی ہے، ایک انسان کا دوسرے انسان سے ایک سوسائٹی کا دوسری سوسائٹی سے تعلق انہی بنیادوں پر قائم ہے، نفع کی امید۔ اور

www.abulhasanalinadwi.org

نقصان کا خوف، سچ یہ ہے کہ زندگی کی پوری گردش اس بنیادی نقطہ سے مربوط ہے۔

"قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ" کہنے لگے (یہ بات نہیں کہ وہ ہمیں فائدہ یا نقصان پہونچاتے ہیں) بلکہ بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے آباء واجداد کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔

یہی وہ بات تھی، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے منھ سے کہلانا چاہتے تھے کیونکہ یہ جواب دراصل جہل وعاجزی کا اعتراف ہے، وہ کوئی جواب دے ہی نہیں سکتے تھے، یعنی یہ جو نام وہمی معبودوں کے رکھے ہیں، ان کا کہیں وجود بھی ہے؟ یہ ہاتھوں سے تراشے ہوئے اور پتھروں کے سہارے کھڑے کئے ہوئے بت، یہ وہمی اور افسانوی معبود جن کا کہیں وجود نہیں، ان کا زندگی سے کیا رشتہ ہے، اور انسانوں کے لئے کیا کرسکتے ہیں کس درجہ کا مداوا بن سکتے ہیں؟ کس مصیبت سے نجات دلا سکتے ہیں، کوئی علمی توجیہ کوئی حقیقت اور علم پر مبنی بنیاد بھی ان کی ہے؟؟

ذہانت، قوت گفتار اور مخاطب کی مدافعانہ صلاحیت سے فائدہ اٹھانا

ان آیات کریمہ کو بار بار پڑھئے، آپ محسوس کریں گے کہ ان میں ایک جہانِ معانی آباد ہے، ایک معنی سے دوسرے معنی روشن ہوں گے، ایک بات سے دوسری کارآمد بات نکلے گی، اور ان دونوں انداز بیان (والد کو دعوت دینے اور قوم کو مخاطب کرنے) کا فرق واضح ہوگا، اور یہ اندازہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر برحق حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کس درجہ انسانی نفسیات پر عبور عطا فرمایا تھا، اور ذہن وقلب کے باریک سے باریک سوتوں کو جگانے اور صلاحیتوں کو بیدار کرنے میں مہارت انھیں حاصل تھی، اپنے

www.abulhasanalinadwi.org

مخاطبین سے کس طرح انھوں نے وہ سب کچھ اگلوالیا جو ان کے دل و دماغ میں محفوظ تھا، ان کی ذہانتیں، قوت گفتار، مدافعانہ صلاحیتیں سب ظاہر ہوگئیں، اور آخر میں ان کے ترکش کا آخری تیر بھی نکلوالیا (بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ) "بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے آباء واجداد کو اسی طرح کرتے پایا ہے" حضرت ابراہیمؑ نے یہ جواب کہلا کر گویا ان سب کی جھولی خالی کروائی، اب وہ دیوالیہ ہو چکے تھے، ان کے پاس کچھ کہنے کو رہ نہیں گیا۔

اب اس کے بعد اپنی دعوت شروع کی، اللہ تعالیٰ کی ذات اور توحید سے ان کو آشنا کرنا شروع کیا فرمایا:۔

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝ اَنْتُمْ	تم نے دیکھا کہ جن کو تم پوجتے رہے ہو تم بھی
وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۝ فَاِنَّهُمْ	اور تمہارے اگلے باپ دادا بھی، وہ میرے
عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الَّذِيْ	دشمن ہیں لیکن خدائے رب العالمین (میرا
خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ۝ وَالَّذِيْ	دوست) جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی
هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ۝ وَاِذَا مَرِضْتُ	مجھے رستہ دکھاتا ہے، اور وہ مجھے کھلاتا
فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۝ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ	اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو
يُحْيِيْنِ ۝ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ	مجھے شفا بخشتا ہے اور وہ جو مجھے مارے گا
يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝	اور پھر زندہ کرے گا، اور جس سے میں
(الشعراء - ۷۵ - ۸۲)	امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے
	گناہ بخشے گا۔

www.abulhasanalinadwi.org

قرآن کریم کا طرز۔ اثبات مفصل اور نفی مجمل

یہاں قرآن کریم کا ایک عجیب دل آویز نکتہ ہے جس کی طرف سب سے پہلے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے ایک جملہ سے توجہ ہوئی، وہ فرماتے ہیں، فلاسفۂ یونان جب اللہ جل شانہ کی صفات کا ذکر کرتے (جس کو وہ اپنی فلسفیانہ زبان میں "واجب الوجود" یا "مبدأ فیاض" سے یاد کیا کرتے تھے) تو وہ ان صفات کی زیادہ تفصیل اور گہرائی میں جاتے تھے، جو ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے لئے مناسب نہیں ہیں، یعنی سلبی صفتیں (وہ ایسا نہیں ہے، اور اس بات سے مبرا ہے) اور جب اثباتی صفات کا ذکر ہوتا (اللہ ایسا ہے اور اس کی یہ صفت ہے) تو اس میں اجمال سے کام لیتے، اس طرح فلسفہ میں سلبیات کا بیان مفصل ہے، اور ایجابیات کا ذکر اجمالاً ملتا ہے، برخلاف قرآن کریم کے اس میں ایجابیات کی تفصیل ہے اور سلبیات کا اختصار ہے، دوسرے آسمانی مذاہب اور انبیاء کرام کی تعلیمات میں یہی مشترک وصف ملے گا کہ اثبات مفصل اور نفی مجمل ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ کی صفات کا اثباتی بیان قرآن کریم کی ان آیات میں پڑھئے:۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ	وہی خدا ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں،
الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ	پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا، وہ بڑا
الرَّحِیْمُ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ	مہربان نہایت رحم والا ہے، وہی خدا
اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ	ہے جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں
الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ	بادشاہ حقیقی، پاک ذات (ہر عیب سے)

[1] کتاب النبوات۔ از شیخ الاسلام۔ ابن تیمیہ۔ (الفاظ مؤلف کے ہیں)

www.abulhasanalinadwi.org

الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۝

(الحشر۔ ۲۴-۲۲)

سالم، امن دینے والا، نگہبان، غالب، زبردست، بڑائی والا، خدا ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے وہی خدا (تمام مخلوقات کا) خالق، ایجاد و اختراع کرنے والا، صورتیں بنانے والا اس کے سب اچھے سے اچھے نام ہیں، جتنی چیزیں آسمانوں اور زمینوں میں ہیں سب اس کی تسبیح کرتی ہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

اور سلبی صفت کا ذکر پڑھئے:۔

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۝ (الشوریٰ۔۱۱)

اس جیسی کوئی چیز نہیں، اور وہ دیکھتا سنتا ہے۔

امام ابن تیمیہؒ نے مزید فرمایا کہ سلبی صفات خواہ سیکڑوں کی تعداد میں ہوں، ان کا وہ اثر نہیں پڑ سکتا جو ایک اثباتی بیان کا ہوتا ہے، امام ابن تیمیہؒ نے بالکل سچی بات کہی ہے، حقیقت یہی ہے کہ ہماری یہ زندگی اور گزری ہوئی نسلوں کی زندگیاں گواہ ہیں کہ انسانی زندگی اثبات پر قائم ہے نہ کہ نفی پر، نفی کی نسبت انسانی زندگی اور تمدن میں بہت معمولی ہے۔

دلی جوش اور امنگ کے ساتھ اللہ کا تذکرہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس جواب کو سن کر کہ "ہم بتوں کی پرستش کرتے ہیں،

www.abulhasanalinadwi.org

اور انہی پر جمے بیٹھے رہتے ہیں" فرمایا کہ کیا تمہاری وہ سنتے ہیں، جب تم ان کو پکارتے ہو، کیا تم کو فائدہ پہونچاتے ہیں، یا ضرر پہونچاتے ہیں؟ اس ارشاد میں "نفی مجمل" ہے، اور جب اللہ کا تذکرہ ہوا، اور دعوت کی بات آئی تو اس میں وسعت بیانی اور فراخ دامانی سے کام لیا، اور اثبات مفصل کا رنگ آگیا، اور فرمایا:۔

فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۝	وہ میرے دشمن ہیں لیکن خدائے
الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ۝	رب العالمین (میرا دوست ہے)
وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ۝	جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے
وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ۝	رستہ دکھاتا ہے، اور وہ مجھے کھلاتا اور
وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ۝	پلاتا ہے اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو
وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ	مجھے شفاء بخشتا ہے، اور وہ جو مجھے مارے گا
خَطِیْٓـَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ۝	اور پھر زندہ کرے گا، اور وہ جس سے
(الشعراء ۷۷۔۸۲)	میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے
	دن میرے گناہ بخشے گا۔

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی پانچ صفات کا ذکر ہے (تخلیق، ہدایت، رزق، شفا اور موت وحیات پر قدرت) جبکہ بتوں کے سلسلہ میں جو سوال کیا اس میں صرف دو باتیں دریافت کی تھیں، کیا وہ دعا سنتے ہیں؟ اور کیا وہ نفع وضرر پر قدرت رکھتے ہیں؟ لیکن جب اللہ کا نام آیا اور اس کا ذکر شروع کیا تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ان کی روح جھوم اٹھی ہو اور وجد سا آگیا ہو جوش اور امنگ کے ساتھ بیان کرنے لگے، فطری بات ہے کہ انسان جب کسی شی میں لذت محسوس کرتا ہے تو اگر وہ کھانے کی ہوتی ہے تو دیر تک منہ میں

www.abulhasanalinadwi.org

رکھتا ہے، کام و دہن کو زیادہ سے زیادہ مزہ لینے کا موقع دیتا ہے لیکن اگر کوئی تلخ شی ہوئی اور اس کا استعمال ضروری ہوا تو جلد سے جلد اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہے، اور ایک ہی گھونٹ یا ایک ہی نوالہ میں اس کو حلق سے اتار لیتا ہے۔

چنانچہ انھوں نے جب اللہ تعالیٰ کا ذکر چھیڑا تو جذبات میں جوش اور ایمان میں حرکت آگئی، اور فرمایا: "یہ میرے لئے باعث ضرر ہیں، مگر ہاں رب العالمین! جس نے مجھے پیدا کیا اور پھر وہی میری رہنمائی کرتا ہے، اور جو کہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے، اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے اور جو مجھ کو موت دے گا، پھر مجھے زندہ کرے گا، اور جس سے مجھے امید ہے کہ قیامت کے روز میری غلط کاریوں کو معاف کر دے گا۔"

دل کی آواز موقع و مناسبت کی جستجو نہیں کرتی

اتنا کہنے کے بعد بھی ان کی طبیعت سیر نہیں ہوئی، جیسے ہی اللہ کا نام زبان پر آیا دل امنڈ آیا، موقع و مناسبت سے بے نیاز ہو کر دل کی آواز دعا بن کر نکلنے لگی:۔

رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَّأَلْحِقْنِي	اے پروردگار مجھے علم و دانش عطا فرما اور
بِالصّٰلِحِيْنَ ۝ وَاجْعَلْ لِّي لِسَانَ	نیکو کاروں میں شامل کر اور پچھلے لوگوں
صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ وَاجْعَلْنِي مِنْ	میں میرا ذکر نیک کر اور مجھے نعمت کی
وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ۝ (الشعراء ۸۳، ۸۵)	بہشت کے وارثوں میں کر۔

اتنا عرض کرنے کے بعد باپ کی یاد آگئی، کیونکہ وہ بت پرستوں کے قائد اور مندر کے بڑے پجاری اور مشہور کاہن تھے، اور فرمایا:۔

وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ۝ يَوْمَ	اور جس دن لوگ اٹھا کھڑے کئے جائیں گے،

www.abulhasanalinadwi.org

لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ	مجھے رسوانہ کیجیو جس دن نہ مال ہی کچھ
اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝	فائدہ دے سکے گا اور نہ بیٹے، ہاں جو شخص
(الشعراء-۸۹-۸۷)	خدا کے پاس پاک دل لے کر آیا (وہ بچ
	جائے گا۔)

ان آیتوں کے بعد یہ بھی پڑھئے :۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ	بے شک ابراہیمؑ (لوگوں کے) امام (اور)
حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝	خدا کے فرمانبردار تھے جو ایک طرف کے
شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ	ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاٰتَيْنٰهُ فِي	نہ تھے اس کی نعمتوں کے شکر گزار تھے
الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ	خدا نے ان کو برگزیدہ کیا تھا، اور (اپنی)
لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝	سیدھی راہ پر چلایا تھا، اور ہم نے ان کو
(النحل-۱۲۰-۲۲)	دنیا میں بھی خوبی دی تھی اور وہ آخرت
	میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے ۔

www.abulhasanalinadwi.org

خطبہ (۳)

حضرت یوسف علیہ السّلام کے طرزِ تبلیغ کا ایک نمونہ

انبیاء کرام علیہم السلام کے طرز تبلیغ کی جو مثالیں گزشتہ دو خطبوں میں پیش کی گئی ہیں، آج کا خطبہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، اور اس موضوع پر کل جہاں بات ختم کی تھی، آج وہیں سے اس کی ابتداء کرتے ہیں، پیغمبرانہ طرز دعوت و تبلیغ کے دو حکیمانہ انداز ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر میں ملتے ہیں۔ دعوت کا ایک طرز تو وہ تھا، جو انھوں نے اپنے والد کو مخاطب کرتے وقت اختیار کیا، جس کا ذکر سورۂ مریم میں ہے، اور دوسرا طرز وہ ہے جو انھوں نے اپنی قوم اور اپنے والد کو ایک ساتھ مخاطب کرتے وقت اختیار کیا، جس کا ذکر سورۃ الشعراء میں ہے۔

آج ایک اور نمونہ پیش کروں گا، یہ حضرت یوسف علیہ السلام کے طرز دعوت کا نمونہ ہے، سب سے پہلے آیئے ہم ان آیات کریمہ کو پڑھیں، جن میں اس دعوت کا ذکر ہے:۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ	اور ان کے ساتھ دو اور جوان بھی داخل زنداں
قَالَ أَحَدُهُمَآ إِنِّيٓ أَرٰىنِيٓ أَعْصِرُ	ہوئے ایک نے ان میں سے کہا کہ (میں نے
خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ إِنِّيٓ أَرٰىنِيٓ	خواب دیکھا ہے) دیکھتا کیا ہوں کہ شراب

www.abulhasanalinadwi.org

اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِیْ خُبْزًا تَاْکُلُ	کے لئے انگور نچوڑ رہا ہوں، دوسرے نے
الطَّیْرُ مِنْهُ نَبِّئْنَا بِتَاْوِیْلِهٖ اِنَّا نَرٰىكَ	کہا کہ میں نے بھی خواب دیکھا ہے، میں یہ
مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ قَالَ لَا یَاْتِیْكُمَا طَعَامٌ	دیکھتا ہوں کہ اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے
تُرْزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِیْلِهٖ قَبْلَ	ہوئے ہوں، اور جانور ان میں سے کھا رہے
اَنْ یَّاْتِیَكُمَا ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ	ہیں، تو ہمیں ان کی تعبیر بتا دیجئے کہ ہم
اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ	آپ کو نیکوکار دیکھتے ہیں، یوسف نے کہا کہ
بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝	جو کھانا تم کو ملنے والا ہے وہ آنے نہیں
وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ	پائے گا کہ میں اس سے پہلے تم کو ان کی تعبیر
اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَاۤ	بتا دوں گا، یہ ان باتوں میں سے ہے جو
اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ	میرے پروردگار نے مجھے سکھائی ہیں، جو
مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَعَلَى النَّاسِ	لوگ خدا پر ایمان نہیں لاتے اور روز آخرت
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ۝ یٰصَاحِبَیِ	کا انکار کرتے ہیں، میں ان کا مذہب چھوڑے
السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ	ہوئے ہوں، اور اپنے باپ دادا ابراہیمؑ
اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ مَا تَعْبُدُوْنَ	اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ کے مذہب پر
مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَاۤ	چلتا ہوں، ہمیں شایاں نہیں کہ کسی چیز کو
اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا	خدا کے ساتھ شریک بنائیں، یہ خدا کا فضل
مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَنْ	ہے ہم پر بھی اور لوگوں پر بھی، لیکن اکثر
لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ	لوگ شکر نہیں کرتے، میرے جیل خانے
الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝	کے رفیقو! بھلا کئی جدا جدا آقا اچھے یا

www.abulhasanalinadwi.org

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ۭ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ۝

(یوسف ۳۶ تا ۴۱)

ایک خدائے یکتا و غالب؟ جن چیزوں کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں، خدا نے ان کی کوئی سند نہیں نازل کی سو سن رکھو کہ خدا کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے، اس نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یہی سیدھا دین ہے، اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے، میرے جیل خانے کے رفیقو! تم میں سے ایک جو پہلا خواب بیان کرنے والا ہے وہ تو اپنے آقا کو شراب پلایا کرے گا، اور جو دوسرا ہے وہ سولی دیا جائے گا، اور جانور اس کا سر کھا جائیں گے، جو امر تم مجھ سے پوچھتے ہو وہ فیصل ہو چکا ہے۔

ایک انوکھا ماحول جس میں حضرت یوسفؑ نے دعوت دی

ان آیات کریمہ کی تشریح سے پہلے اپنے ذہن میں اس انوکھے ماحول کا ایک نقشہ سامنے لائیے، جو اس دعوت کے وقت تھا، اور ان حالات کو پیش نظر رکھئے جن میں حضرت یوسف علیہ السلام نے کار دعوت انجام دیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

سب سے پہلے تو یہ دیکھئے کہ حضرت یوسفؑ کون تھے؟ حضرت یوسف علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادے، حضرت اسحاقؑ کے پوتے اور حضرت ابراہیمؑ کے پرپوتے ہیں، یہ وہی حضرت یوسف علیہ السلام ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا" الکریم بن الکریم بن الکریم بن الکریم" (ایک برگزیدہ، برگزیدہ کے صاحبزادے، برگزیدہ کے پوتے، برگزیدہ کے پرپوتے) نسب دیکھئے تو سب سے اعلیٰ، خاندانی شرافت میں سب سے بلند، نبوت کی میراث دیکھئے تو کئی پشتوں سے اس کے حامل، اللہ تعالےٰ جل شانہ کی معرفت دیکھئے تو یہ بھی خاندانی ورثہ، سیرت اور اخلاق دیکھئے تو پشتہا پشت سے ان کے خاندان میں یہ دولت منتقل ہوتی آرہی ہے، آسمانی صحیفوں میں ان کا ذکر ہے، دین و دانش ادب و حکمت کی کتابوں میں ان کا قصہ موجود ہے، جمال ظاہری میں بے مثال تھے، اللہ تعالےٰ نے حسن صورت اور حسن سیرت کا جامع بنایا تھا، ظاہری شکل و وجاہت کا اگر وہ نمونہ تھے، تو دوسری طرف پاکیزہ اخلاق اور کردار کی بلندی کا بھی آئینہ تھے، ان کی ذات حسنِ صورت، حسنِ سیرت اور جمال عقل و فکر (اگر یہ تعبیر مناسب ہو تو) کی جامع تھی، اس کے ساتھ طبیعت میں گداز، احساس و جذبات میں لطافت اور فطری شرافت کا عنصر مستزاد تھا، وہ صحیح معنی میں حسن کامل کا پرتو تھے، یہ حسن ان کی ظاہری وجاہت کی طرح ان کے عادات و اطوار، طرزِ کلام اور طرزِ فکر سے بھی آشکارا تھا۔

ان آیات کریمہ کی ادبی شان اور بلاغت کا لطف لینے سے پہلے ہمیں اس ماحول کو بھی اپنے سامنے رکھنا چاہیئے جس میں حضرت یوسفؑ نے اپنی دعوت پیش کی تھی، ان آیاتِ کریمہ کو پڑھئے:۔

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ اب خدا کی شان دیکھو کہ اس کنویں کے قریب

www.abulhasanalinadwi.org

فَاَدْلٰی دَلْوَهٗ ؕ (یوسف - ۱۹)

ایک قافلہ وارد ہوا اور انھوں نے پانی کے لئے اپنا سقا بھیجا اس نے کنویں میں ڈول لٹکایا۔

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰیٰتِ لَیَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰی حِیْنٍ ؕ (یوسف - ۳۵)

پھر باوجود اس کے کہ وہ لوگ نشان دیکھ چکے تھے ان کی رائے یہی ٹھہری کہ کچھ عرصہ کے لئے ان کو قید ہی کر دیں۔

حضرت یوسفؑ کو جیل میں ڈال دیا جاتا ہے اور ایک ایسی تہمت لگائی جاتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا بری اور بے قصور ثابت کر دیا، جیسے خون ریزی کی تہمت سے وہ بھیڑیا بری تھا، جس پر حضرت یوسف علیہ السلام کو پھاڑ کھانے کا الزام ان کے بھائیوں نے لگایا تھا۔[1]

بہرحال حضرت یوسف علیہ السلام جیل میں ایک تہمت کی بنا پر مجرم کی حیثیت سے داخل کئے جاتے ہیں جیل خانوں میں حکام بالا کے احکام کی صرف تعمیل ہوتی ہے جیل خانہ کے عملہ کو حق و ناحق سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، وہ عملہ تو قیدیوں کو اس طرح اپنی تحویل میں لیتا ہے، جیسے ہم لوگ ڈاک وصول کرتے ہیں، ڈاکیہ کو بھی اس سے مطلب نہیں کہ ان خطوط میں کیا ہے، اور لینے والا بھی بغیر کسی جرح قدح کے اس کو وصول کر لیتا ہے، اب خواہ اس میں کوئی تار ہو جس میں اچانک کسی حادثہ کی خبر ہو یا کوئی خوش خبری ہو، غرض جیل خانے کا عملہ جمادات یا اشیاء منقولہ کی طرح قیدیوں سے بھی معاملہ کرتا ہے، انھوں نے حضرت یوسفؑ کا ہاتھ پکڑ لیا، اب انھیں کیا معلوم کہ کون ہیں اور کس خاندان کے چشم و چراغ ہیں،

---

[1] یہ عربی کا ایک محاورہ ہے کہ فلاں شخص اس تہمت سے ایسا بری ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے خون سے بھیڑیا بری تھا۔ (مترجم)

www.abulhasanalinadwi.org

اور کس درجہ بلند اخلاق کے حامل ہیں، ان کو تو صرف یہ معلوم تھا کہ ان کے لئے جیل میں ڈالے جانے کا حکم صادر ہوا ہے، لہٰذا انھوں نے دوسرے قیدیوں کی طرح ان کو بھی داخل زنداں کر دیا، جب حق و ناحق کا فیصلہ جیل کے باہر نہ ہو سکا تو پھر جیل کی چہار دیواری کے اندر کیوں کر ممکن تھا؟ اس کے آہنی پھاٹک کے پٹ جب بند ہو گئے تو اس کے اندر جو بھی ہے، یکساں ہے، باہر کی صاف ہوا سے سب ہی محروم کر دیئے جاتے ہیں، جیل خانہ کی اپنی ایک دنیا ہوتی ہے، اور قیدیوں کو باتیں کرنے کا وقت ہی وقت ہوتا ہے۔

احترام و اعتماد کا مرکز

باوجود اس کے کہ سب قیدی برابر ہوتے ہیں، حضرت یوسفؑ تھوڑے ہی دنوں میں لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گئے، قیدیوں میں (ان کی شرافت و حسن اخلاق کا) عام چرچا تھا، ان کے ماحول پر چھائی ہوئی تاریکی ان کے اخلاق کریمانہ کی نورانیت سے چھٹ گئی، سنجیدگی، وقار، کردار کی بلندی، سیرت کی پختگی، عبادت میں یکسوئی اور پھر ملنے ملانے میں خندہ پیشانی، عجز و انکساری، ہر ایک سے اخلاق و مروت کا برتاؤ، کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کا اثر نہ پڑتا، قیدیوں کے دل بے اختیار ان کی طرف کھینچنے لگے، اور وہ ان کا احترام کرنے پر مجبور ہو گئے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے منشاء و مصلحت کا مظہر تھا۔

اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟ قیدیوں میں دو قیدی دو مختلف قسم کے خواب دیکھتے ہیں، خواب آئے دن کے خوابوں سے مختلف اور ذرا نرالے قسم کے تھے، ایک نے دیکھا کہ وہ شراب کشید کر رہا ہے، اس کے اعصاب پر (کابوس کی طرح) یہ خواب سوار ہو گیا، اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس خواب کی کیا تعبیر ہو گی، دوسرا شخص دیکھتا ہے کہ وہ سر پر روٹی اٹھائے

www.abulhasanalinadwi.org

ہوئے ہے جس کو پرندے کھارہے ہیں، یہ بھی عجیب وغریب قسم کا خواب تھا، اللہ نے ان کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے رجوع کریں، خوابوں کی تعبیر لینے کے لئے ان کا حضرت یوسف علیہ السلام سے رجوع کرنا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ ان کی انسانی فطرت مردہ نہیں تھی، اور ان میں مشاہدہ کی قوت باقی تھی، اور یہ ہوتا آیا ہے کہ لوگ علم ومنطق سے زیادہ اپنے مشاہدات وتجربات پر اعتماد کرتے ہیں، بہرحال ان دونوں نے اپنے اپنے خواب بیان کئے، ایک نے کہا کہ میں اپنے آپ کو شراب کشید کرتے ہوئے دیکھتا ہوں، دوسرے نے کہا کہ میں اپنے سر پر روٹی دیکھتا ہوں جس کو پرند کھارہے ہیں، براہ کرم اس کی تعبیر دیجئے، آپ ہمیں بہت بھلے انسان دکھائی دیتے ہیں (ہم آپ کو ان لوگوں میں پاتے ہیں، جو احسان کرتے ہیں۔)

احسان کا مفہوم

خواب کی تعبیر پوچھنے والوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا تھا، "إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ" یعنی آپ ہم کو ان لوگوں میں سے دکھائی دیتے ہیں جو احسان کرتے ہیں) یہاں پر احسان کا کیا مفہوم ہے؟ کیا حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس کوئی دولت تھی، جسے انھوں نے چھپا کر رکھا تھا اور قیدیوں میں اس کو تقسیم کیا کرتے تھے، احسان کرنے کا لفظ سن کر ہمارے ذہن میں جو بات پہلے آتی ہے وہ یہی ہے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام جس حالت میں تھے، اس کو دیکھتے ہوئے یہ بات نہ صرف خلاف عقل بلکہ محال معلوم ہوتی ہے۔

احسان کا مطلب ہے کسی کام کو بہتر سے بہتر طریقہ پر انجام دینا جو کمال کا درجہ ہے

www.abulhasanalinadwi.org

—جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ احسان کیا ہے تو آپ نے فرمایا:

ان تعبد اللہ کأنک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔

احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو کیونکہ اگرچہ تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو لیکن وہ تو تم کو دیکھ ہی رہا ہے۔

لہٰذا یہاں احسان کا مفہوم یہ ہے کہ ہم آپ کو عبادت میں درجۂ احسان پر فائز پاتے ہیں، آپ کو گفتگو میں، معاملہ میں ہر چیز میں اس کمال کے درجہ پر پاتے ہیں جو احسان کا درجہ ہے، چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے گرد و پیش تہمت اور بدنامی کے ہالے پڑ چکے تھے (جمال ظاہری میں حضرت یوسف علیہ السلام ایک مہ تابندہ تھے، اس لئے ان کے گرد و پیش تہمت اور بدنامی کے ماحول کو ہالہ سے تعبیر کرنا مناسب ہوگا) لوگ کچھ کا کچھ گمان کرنے لگے تھے، چرچے ہو رہے تھے، قیاس آرائیاں ہو رہی تھیں، کوئی کہتا آخر جیل میں کیوں ڈالے گئے؟ کسی نے کہا ضرور ایسا کیا ہوگا، کسی نے کہا اس سے ایسا نہیں ہو سکتا لیکن یہاں جیل میں یہ سب ہالے ختم ہو گئے، اور ایک دوسرا ہالہ اس صورت و سیرت کے کے "ماہ تاباں" کے گرد دکھائی دینے لگا، یہ تھا احترام و اعتماد اور تحسین و تعریف کا ہالہ۔

بھیانک خوابوں سے زیادہ قابل فکر بات

حضرت یوسف علیہ السلام نے محسوس فرمایا کہ جو چیز ان دونوں کو لائی ہے اور جس کی وجہ سے یہ مجبور ہو کر آئے ہیں، وہ ان کے بھیانک خواب ہیں، اور یہی ان بیچاروں کا معیار علم ہے اور یہ لوگ اسی طرح کی باتوں کو زندگی کا اہم ترین مسئلہ سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک

www.abulhasanalinadwi.org

رنج وراحت، کامرانی اور ناکامی کا تصور اس دو روزہ زندگی سے وابستہ ہے۔

مگر حضرت یوسف علیہ السلام آغوشِ نبوت کے پروردہ تھے، اللہ تعالیٰ نے انھیں بصیرت کی دولت عطا فرمائی تھی، رسالت خداوندی کے لئے ان کے مزاج کو ڈھالا گیا تھا، وہ سمجھ گئے کہ یہ دونوں قید وبند کے رفیق جس حقیقت کو فراموش کر رہے ہیں، وہ ان خوابوں سے کہیں زیادہ قابلِ فکر بات ہے، وہ حقیقت ہے ایمان باللہ کی یعنی اس ذات پاک پر ایمان جو اس کائنات کا خالق ومدبر ہے، اور وہ حقیقت ہے توحید کی جس میں شرک کی آمیزش نہ ہو، اور کیا اس زندگی کی (خواہ کتنی ہی طویل ہو) حقیقت ایک خواب سے زیادہ ہے؟ ان دونوں رفیقانِ قید واسارت کو اس طویل خواب کی تعبیر جاننا زیادہ ضروری تھا اور وہ اس کے زیادہ محتاج اور ضرورت مند تھے، اور اس کا بھولنا یا فراموش کر دینا زیادہ خطرہ اور سخت نقصان کی بات ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کو جو اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر جذبۂ ہمدردی اور لوگوں کی خیر خواہی کا ذوق عطا فرمایا تھا اس کا تقاضہ یہی تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام انھیں اصل خطرہ سے آگاہ فرمائیں اور ان کو ایسی باتیں بتائیں جو ان کے لئے بنیادی طور پر نفع بخش ہو، اور خاص طور پر اس وقت جبکہ بات سمجھنے کے لئے ذہن تیار ہو چکا ہے، اور دماغ پر ایک دھچکہ لگ چکا ہے، خواہ کسی معمولی ہی سبب کی بنیاد پر، بہر حال یہ ایک موقع ہے بات سمجھانے کا اور ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد ایسا موقع نہ ملے، لہذا حضرت یوسف علیہ السلام نے مناسب سمجھا کہ اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے، اور ان کے دماغ کی نرم مٹی میں ایک اچھا تخم ڈال ہی دیا جائے، خواب کی تعبیر نے ایک اچھی تقریب اور مناسب سلسلۂ کلام پیدا کر دیا ہے، اس کے ذریعہ اللہ کے دین کی طرف دعوت دی جائے، اور ان کی فطرتِ سلیم کو بیدار کیا جائے کہ وہ واضح اور قابلِ فہم

www.abulhasanalinadwi.org

عقیدۂ توحید کو پا سکیں۔

آغاز گفتگو کا حسین پیرایہ

گفتگو کا آغاز کس حسین پیرایہ سے کیا گیا ہے اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے، ایک اعلیٰ درجہ کی بات کے لئے گفتگو کا پیرایہ بھی اعلیٰ درجہ کا ہونا چاہیئے، آداب کلام میں اس کی بڑی اہمیت ہے، اگر ایسا نہ ہو تو بات کا حُسن ختم ہو جاتا ہے جس طرح ایک پر شکوہ اور حسین عمارت کے لئے ضروری ہے کہ اس کا پھاٹک بھی دیدہ زیب اور عالیشان ہو جس کو دیکھتے ہی عمارت کی اہمیت معلوم ہو اور آدمی اندر داخل ہونے میں سہولت و مسرت محسوس کرے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی گفتگو کا آغاز اس طرح فرمایا کہ پہلے تو ان کو مطمئن کیا کہ وہ ان خوابوں کی تعبیر دے سکتے ہیں، اور جس مقصد سے یہ لوگ ان کے پاس آئے ہیں اس میں ان کو کامیابی ہو گی، انھوں نے انتخاب میں کوئی غلطی نہیں کی ہے وہ صحیح منزل پر آگئے ہیں جس شخص سے انھوں نے رجوع کیا ہے وہ اس کام کا اہل ہے جس کی انھیں ضرورت ہے اور جو ان کو اس ذہنی الجھن سے نکال کر صحیح طریقۂ عمل بتا سکتا ہے۔

یہ ایک فطری بات ہے کہ ایک ضرورت مند یہ چاہتا ہے کہ اس کی ضرورت جلد سے جلد پوری ہو جائے ایک مریض جب کسی معالج کے پاس جائے کہ وہ اس کے مرض کی تشخیص کر کے دوا تجویز کرے اور وہ معالج ٹال مٹول کرنے لگے یا یہ کہنے لگے میں کتابیں دیکھ کر بتا سکوں گا، ذرا میں فلاں ڈاکٹر، فلاں حکیم سے مشورہ کر لوں تو مریض کا دل ٹوٹ جائے گا،

www.abulhasanalinadwi.org

اور وہ مایوس ہو کر واپس چلا جائے گا، اور شاید دوبارہ کبھی اس معالج کی طرف رخ بھی نہ کرے، لہذا گفتگو کا پہلا جزو یہ ہوتا ہے کہ طالب حاجت کے دل میں اعتماد پیدا کر دیا جائے کہ وہ جس کے پاس آیا ہے، وہ کار برآری کی صلاحیت رکھتا ہے، اور اس کی ضرورت پوری ہو جائیگی، "قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ" فرمایا: جو کھانا تم کو ملنے والا ہے وہ آنے نہیں پائے گا کہ میں اس سے پہلے تم کو ان کی تعبیر بتا دوں گا یعنی ان کی ضرورت بلا تاخیر پوری کر دی جائیگی، اس طرح کہ وہ جو پوچھنا چاہتے ہیں، اس کا جواب ان کو بعجلت مل جائے گا، ظاہر ہے کہ وہ دونوں قیدی تھے، اور جیل خانہ کے قوانین کے پابند، زیادہ دیر تک حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس بیٹھے نہیں رہ سکتے تھے، لہذا حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارا کھانا (جو آیا کرتا ہے) پہونچنے بھی نہ پائے گا کہ میں تم کو خواب کی تعبیر بتا کر رخصت کر دوں گا۔

اس آیت کی تفسیر دو طریقوں سے کی گئی ہے۔

پہلی تفسیر

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: "لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ" یعنی قبل اس کے کہ تمہارا کھانا جو تم کو ملتا ہے، یہاں آجائے، میں اس کی تفصیل بتا دوں گا، یعنی کھانے میں آج کیا آنے والا ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کا منشاء یہ تھا کہ ان کو باور کرا دیں کہ وہ کچھ غیب کی باتیں بتانے پر قادر ہیں، اور اس طرح ان دونوں کو اطمینان دلا دیں کہ وہ خواب کی تعبیر بیان کرنے کے اہل ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

دوسری تفسیر

پہلی تفسیر (جو اوپر بیان کی گئی) میرے نزدیک قابل قبول نہیں ہے، اولاً اس لئے کہ غیب میں کیا ہے اس کی نشان دہی اس سے ثابت نہیں ہوتی ہے جیل خانوں میں کھانے متعدد اقسام وانواع کے نہیں دیئے جاتے، ایک ہی دو قسم کے کھانے الٹ پھیر کر دیئے جاتے ہیں، ہر قیدی آسانی سے قیاس کر سکتا ہے کہ کھانے میں کیا ملنے والا ہے، اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کی کون سی غیر معمولی صلاحیت کا اظہار ہوتا؟ تورات میں مذکور ہے کہ حضرت یوسفؑ کے سپرد قیدیوں کے کھانے کا انتظام بھی تھا، اگر یہ صحیح ہے تو بات اور بھی معمولی ہو جاتی ہے، ایک شخص جو باورچی خانہ کا منتظم ہے وہ کسی کو بتا دے کہ آج کھانے میں کیا دیا جائے گا، اس میں کون سی قابلیت ہے۔؟

میرا رجحان یہ ہے کہ اس آیت کی وہ تفسیر درست ہے (جو بعض تفسیروں میں ہے) جس میں اس آیت کا یہ مطلب بتایا گیا ہے کہ "تمہارا کھانا آنے بھی نہ پائے گا کہ میں تمہیں خوابوں کی تعبیر بتا دوں گا" تاکہ ان خواب دیکھنے والے قیدیوں کو اطمینان ہو جائے کہ تاخیر نہیں ہوگی، اس کی نوبت نہیں آئے گی کہ جیل کا نگراں آکر ڈانٹے اور کہے کہ اپنی اپنی جگہ جاؤ "یہاں تم کیسے آگئے؟ کیوں آئے"؟ مصر حضرت یوسف علیہ السلام کے وقت میں بھی مصر خاصا متمدن ملک تھا، کھانے کے اوقات متعین تھے، کھانے کا وقت آچکا تھا، اس لئے حضرت یوسف نے فرمایا کہ کھانا جو آرہا ہے اس کے آنے سے پہلے میں تم کو تعبیر بتا کر فارغ کر دوں گا۔

www.abulhasanalinadwi.org

مرغوب اور پسندیدہ چیز کے ذکر سے طبیعت میں نشاط پیدا ہوتا ہے

ایک نکتہ ابھی سمجھ میں آیا کہ قیدیوں کے لئے کھانے کا ذکر بہت پسندیدہ ہوتا ہے، لہذا حضرت یوسف علیہ السلام نے کھانے کا ذکر فرما کر ان کے اندر ایک نشاط پیدا کر دیا، کھانے کا ذکر ہر ایک کے لئے پسندیدہ ہے، چہ جائیکہ قیدیوں کے لئے، ان کے لئے تو اور بھی رغبت کی چیز ہے، لہذا جب حضرت یوسفؑ نے اس کا ذکر کیا تو ان کے دل کھل اٹھے، اور مزید باتیں سننے کے لئے کان آمادہ ہو گئے۔

پھر مزاج نبوت ابھر کر سامنے آتا ہے، تعبیر خواب کی صلاحیت کو اپنی قابلیت پر محمول نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل کا نتیجہ بتاتے ہیں، اور یہیں سے بات کا رخ پھیرتے ہیں، اس درجہ کے حکیمانہ "گریز" کی شاید ہی کوئی مثال ملے، فرمایا "ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ" یہ ان باتوں میں ہے جو میرے رب نے مجھے سکھلائی ہیں، اور نصیحت کی جو بات کرنا چاہتے تھے، اس کا سرا ہاتھ آگیا۔

غور فرمائیے، خواب کی تعبیر سے پہلے کس درجہ حکیمانہ اسلوب میں دعوت و تبلیغ کا فرض انجام دیا، یہی بات اگر سیدھے سیدھے بغیر گفتگو کا رخ موڑے ہوئے کہتے تو وہ قیدی سننے کے لئے تیار نہ ہوتے، کیونکہ وہ بھیانک خوابوں کی وجہ سے خوف زدہ تھے، وہ چاہتے تھے کہ جلد سے جلد کوئی ان کو اطمینان کی بات بتادے، وہ کہاں متحمل ہو سکتے تھے کہ طویل طویل باتیں سنیں، مگر حضرت یوسف نے جب یہ فرمایا کہ اس تعبیر خواب کے بیان کرنے میں میرے علم و فضل، ذہانت و ذکاوت کا کوئی دخل نہیں ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس نے مجھے یہ صلاحیت عطا فرمائی ہے، اور اس بات سے ان کو دعوت الی اللہ

www.abulhasanalinadwi.org

کی بات کا سرا ملتا ہے، جو اس درجہ لطیف، سبک رو اور طبائع کے لئے قابل قبول ہے کہ کوئی انکار نہیں کر سکتا تھا۔

دعوت کے اس حکیمانہ اسلوب پر اس طرح غور کیجئے کہ اگر حضرت یوسفؑ ان خواب دیکھنے والوں کو اس طرح مخاطب فرماتے کہ "میرے معزز ساتھیو! ذرا صبر سے کام لو، میں آپ کے خواب کی تعبیر ابھی بتا دوں گا لیکن سنئے! اس دنیا میں اس خواب سے بڑھ کر بھی اہمیت اور فکر کے لائق ایک بات ہے، ظاہر ہے، وہ لوگ دلجمعی سے ہرگز بات نہ سنتے، خاص طور پر ایسے موضوع پر گفتگو جس کے وہ عادی نہیں تھے، اور نہ یہ سب سننے کے لئے آئے تھے، لہٰذا حضرت یوسف علیہ السلام نے گفتگو کا موضوع بغیر بدلے ہوئے، سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے بلکہ ایک ہی سانس میں فرمایا:

ایک دلنشیں اور سبک پیرائے میں دعوت کی طرف لوئے سخن کا پھیر دینا[1]

ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي۔ — یہ ان باتوں میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھائی ہیں۔ (یوسف۔ ۳۷)

آپ اس ماحول کو اپنی نگاہ میں رکھئے جس میں یہ دعوت دی گئی ہے، اس حکیمانہ اسلوب میں جس کی مثال اگر کہیں ملتی ہے تو صرف رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوت میں جس کا ذکر بعد میں کروں گا، لیکن اس کے علاوہ دعوتِ دین اور داعیان دین کی طویل تاریخ میں مجھے اس سے زیادہ نازک ماحول نہیں نظر آتا اور نہ اس سے زیادہ لطیف پیرائے بیان ملتا ہے، جہاں سے بات شروع کی ہے "لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ"

---

[1] یہ معجزانہ اور بلیغ ٹکڑا حضرت یوسف علیہ السلام کے ذکر میں صرف قرآن میں ہے (باقی ص ۵۵ پر)

www.abulhasanalinadwi.org

سے آیت "ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ" تک پڑھئے، اور دیکھئے کس طرح ربّ کے لفظ سے توحید کے وعظ کا راستہ نکال لیا ہے کیا اس سے زیادہ سہل، لطیف، قابل قبول اور تیزی سے بات کا رخ بدلا جاسکتا ہے؟ گویا وہ فرمارہے ہیں، میری کیا حیثیت کہ آپ کے خوابوں کی تعبیر بتاؤں، میں کمزور و درماندہ انسان، میرا اپنے اوپر بس نہیں چلتا، لوگوں نے مجھے جیل خانہ میں ڈھکیل دیا، اور میں ان کا مقابلہ نہ کرسکا، میرا جیسا کمزور و ناتواں جو قید میں ڈال دیا جائے اور اپنے آپ کو بے بس پاتا ہو، اس کی کیا مجال کے اس بلند مقام پر اپنے کو فائز سمجھے کہ علم و بصیرت کی بات کرے، یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے مجھے علم عطا فرمایا۔

جادۂ صدسالہ کو حضرت یوسفؑ ایک لمحہ میں طے فرماتے ہیں

یہاں ایک اور سوال اٹھاتے ہیں، میرے رب نے یہ علم مجھے کیوں دیا؟ دعوت الی اللہ کی طرف لوگوں کا ذہن منتقل کرنے کا ایک اور پیرایہ ان کو ملتا ہے، دراصل یہ طول طویل راہ تھی، جس کو حضرت یوسفؑ نے اپنی حکمت و بصیرت، تابناک روحانیت روشن ضمیری، اور اللہ کی عطا کردہ فکر رسا کے ذریعہ ایک لمحہ میں طے فرمالیا، یہ راہ جسکو جادۂ صدسالہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا اور جس کو حکماء و فلاسفہ برسہا برس میں طے کرتے، حضرت یوسف علیہ السلام کی پیغمبرانہ قوت نے چشم زدن میں طے کرلی، فرمایا:

(باقی صفحہ ۵۴ کا) تورات میں اس کا سراغ نہیں ملتا، اس واقعہ کو قرآن کریم اور بائبل (BIBLE) دونوں میں دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ قرآن کریم نے وہی حصے لئے ہیں، جن میں دعوت و تبلیغ، عبرت و موعظت کا عنصر ہے، اور تورات میں جو ذکر ہے، اس میں صرف تاریخیں، گنتیاں اور مسافتوں کا بیان ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ۚ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُم بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ۔ (یوسف ۔ ۳۷)

یہ ان باتوں میں سے ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھائی ہے، جو لوگ خدا پر ایمان نہیں لاتے اور روز آخرت کا انکار کرتے ہیں میں ان کا مذہب چھوڑے ہوئے ہوں۔

اتنا کہنے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے محسوس فرمایا کہ وہ اب ایک محفوظ پوزیشن میں ہیں، ایک بلند مقام پر فائز ہیں، گویا وہ ایک پہاڑ پر یا ٹیلے پر چڑھ کر نیچے والوں کو مخاطب فرمارہے ہیں کہ :۔

يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ

میرے جیل خانے کے رفیقو! بھلا کئی جُدا جُدا آقا اچھے یا (ایک) خدا ایکتا و غالب۔؟

اگر حضرت یوسفؑ یہ بات پہلے کہہ دیتے تو ان رفیقوں کے کان پر یہ بات گراں گزرتی نہ اس کو ان کا قلب وذہن قبول [illegible] ن اب موقع آگیا تھا کہ کہیں اور ان کا حق تھا کہ کہیں اے میرے جیل کے رفیقو [illegible] جُدا جدا آقا اچھے یا ایک خدا یکتا و غالب؟ یہاں کلام کی ترتیب تقدیم وتا [illegible] ر قرآن کریم کی ترتیب کلام قابل غور ہے اور اگر وہ سابق سلسلۂ کلام جاری رکھتے تو خشک اور بے جان بات ہوتی لیکن حضرت یوسفؑ نے اپنی بصیرت سے اندازہ کرلیا، اور اپنے مخاطبین کے چہرے پر اطمینان کے آثار دیکھ کر سمجھ لیا کہ اب یہ لوگ اس صدائے آسمانی کو سننے کے لئے گوش برآواز ہیں، کیونکہ اللہ تعالےٰ کا یہ پیغام ہے، جو اپنے پیغمبروں کے ذریعہ اپنے بندوں کو دے رہا ہے، فرمایا: يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ

www.abulhasanalinadwi.org

الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ" اس لہجہ کو دیکھئے کس درجہ پہلے لہجہ سے مختلف ہے، پہلا لہجہ (جس میں "ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ کہا تھا، الخ) نرم تھا، اس میں گداز تھا، مگر یہ لہجہ جس میں وہ کہہ رہے ہیں "کیا جُدا جُدا آقا اچھے یا ایک خدا یکتا و غالب" قوت و اعتماد کا اظہار کر رہا ہے، اس سے بھرپور خود اعتمادی جھلکتی ہے اور یہی لہجہ اور اسی انداز کی بات وہ آسانی سے سمجھتے تھے، اگر حضرت یوسفؑ یہاں پر منطق اور علمِ کلام کی زبان میں بات کرتے تو ان کی سمجھ میں خاک نہ آتا۔

ایک قرآنی معجزہ

پھر فرمایا:-

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً	جن چیزوں کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے
سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ	ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے
اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ط	اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں
(سورۂ یوسف۔ ۴۰)	خدا نے ان کی کوئی سند نہیں نازل کی۔

یہ نام ہیں مگر ان کا کوئی مسمّٰی نہیں ہے، یہ نام ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے، کچھ نام یونانیوں نے تصنیف کر لئے ہیں، کچھ نام بت پرست قوموں نے رکھ چھوڑے ہیں، اور اسی طرح دوسرے لوگوں نے بغیر کسی وجود کے صرف اپنے اوہام کے بُت بنائے، اور ان کا نام رکھ دیا، اور دنیا میں ہر قوم کا ایک مستقل علم الاصنام (MYTHOLOGY) تیار ہو گیا، قرآن کریم کا اعجاز یہ ہے کہ ان وہمی چیزوں کے لئے جن کا کبھی کوئی وجود نہیں تھا "اسماء" کا لفظ استعمال کیا ہے، جن لوگوں کی مذاہبِ عالم کی تاریخ پر نظر ہے اور

www.abulhasanalinadwi.org

جو علم الاصنام کی تاریخ جانتے ہیں، وہی اس لفظ کی معجزانہ حیثیت کا اندازہ کر سکتے ہیں، یہ صرف نام ہی نام ہیں، یہ معبود کہاں اور کب پائے گئے؟ کہاں اور کب بارش کا خدا اور جنگ کا خدا تھا؟ اور کس زمانہ میں اور کس جگہ، خدائے جمال اور خدائے محبت کا وجود تھا؟ یہ الٰہ کہاں اور کس صدی میں بستے تھے، ان کا وجود اوہام وظنون کی دنیا سے باہر کبھی پایا گیا؟ قرآن کریم نے بتایا کہ صرف نام ہی نام ہیں جنھیں تم نے اور تمہارے آبا واجداد نے اپنے دل سے گڑھ لیا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کوئی سند نہیں ہے"۔

قرآن کریم کا یہ معجزہ رہتی دنیا تک کے لئے قائم ہے، بت پرستی بھی اسی طرح کے اسماء کا مجموعہ ہے قرآن کریم نے ان کا پول ان دو لفظوں میں کھول دیا "اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ" یہ صرف نام ہی نام ہیں۔

ایک ایسے داعی کا طریق کار جو اللہ کی طرف سے الہام کی نعمت سے سرفراز ہے

حضرت یوسف علیہ السلام نے اس موقع پر محسوس فرمایا کہ ان کے دل ودماغ کا خلا پُر ہو چکا ہے اور اب حکمت کا تقاضہ ہے کہ بات کو طول نہ دیا جائے، اور توحید کا مضمون زیادہ پھیلا کر بیان نہ کیا جائے، ایک ماہر طبیب جانتا ہے کہ مریض کو کتنی غذا اور کس مقدار کی دوا (DOZE) درکار ہے، مریض کی ضرورت اور قبولیت کی صلاحیت وہ جانتا ہے، یہی ایک ایسے داعی کا طریق کار ہے جو اللہ کی طرف سے الہام کی نعمت سے سرفراز ہے، اور جس کو اللہ تعالیٰ نے دعوت کی صلاحیت دی ہے، وہ جانتا ہے کہ ایک مرکز پر پہونچنے کے بعد اس سے تجاوز نہ کرنا چاہیئے۔

یہی سبب ہے کہ جو شخص دعوت وتبلیغ کو اصول وقواعد کی حد بندیوں میں محصور

www.abulhasanalinadwi.org

کرتا ہے، وہ دراصل اس کی کارکردگی کو محدود کرتا ہے، دعوت نشاط، جوش اور حرارت کی متقاضی ہے، داعی اور مبلغ پر بھی یہ ظلم ہے کہ اس کو ضوابط کا پابند کر دیا جائے۔[1]

آئندہ مجلس میں انشاء اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طرز دعوت کے مطالعہ کا نتیجہ پیش کیا جائے گا۔

---

[1] مؤلف نے ۱۷؍ ربیع الثانی ۱۴۰۰ھ کو.... مدینہ منورہ کی اسلامی یونیورسٹی کے ہال میں "حکمت دعوت" کے موضوع پر ایک تقریر کی تھی، جس کا عنوان تھا "حكمة الدعوة وصفة الدعاة" (دعوت میں حکمت کا پہلو اور داعی کے اوصاف) اس محاضرہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کی دعوت کا ذکر تھا، اور اس میں ادبی نکات اور دعوت کے تابناک پہلو سامنے آگئے تھے، لہٰذا اس خطبہ کو بھی سابقہ محاضرہ کے ساتھ ضم کر دیا گیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

خطبہ (۴)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت اور ان کی پیغمبرانہ حکمت کے چند نمونے

پیغمبرانہ دعوت کا ایک اور نقش جمیل

آج ہم پیغمبرانہ دعوت کا ایک اور نقش جمیل پیش کرتے ہیں، یہ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا نمونہ، وہ دعوت جس کے لئے وہ مامور من اللہ تھے، اور فرعون جس کا مخاطب تھا، یہ طریق دعوت و تبلیغ اس طریق کار سے مختلف ہے، جو ہم نے پہلے پیش کیا تھا، اور آئندہ جو نمونے پیش کئے جائیں گے اس سے بھی یہ مختلف ہے، اس دعوت کی تین[۳] لحاظ سے نوعیت مختلف ہے، دعوت[۱] کا مزاج، داعی[۲] کی حیثیت، اور جس کو دعوت دی جارہی ہے اس کی صورتِ حال۔

یہ دعوت جو موسیٰ علیہ السلام نے دی، یہ دعوت جس پر وہ مامور کئے گئے تھے انبیاء کرام کی دعوتوں سے ایک لحاظ سے مختلف کہی جاسکتی ہے، اس میں بھی مرکزی اور بنیادی عناصر موجود ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت، توحید کی دعوت، آخرت پر ایمان کی دعوت، مرکر دوبارہ اٹھنے، اور آخرت کی زندگی، اور اللہ تعالیٰ کی صفات اور غیبی امور کی دعوت، مگر ایک دوسرے پہلو سے مختلف ہے، اور وہ یہ کہ ان بنیادی اور مرکزی مضامینِ دعوت کے

www.abulhasanalinadwi.org

علاوہ ایک اور مہم بھی دعوت میں داخل کردی گئی ہے، وہ مہم تھی بنی اسرائیل کو فرعون کے عذاب سے نجات دلانا، اور عقائد کی بنیاد پر جو مصائب ان کو فرعون کی طرف سے اٹھانا پڑے تھے، اس سے گلوخلاصی حاصل کرانا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مہم دوسرے انبیاء کرام کی مہم سے قدرے مختلف ہے

وہ خاص ماحول اور حالات جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی، اور جن میں انھوں نے پرورش پائی، اور گردوپیش کی صورتِ حال جن سے ان کو سابقہ پڑا، ان باتوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کام کو دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کے کام سے ایک حد تک مختلف نوعیت دے دی تھی، حضرت موسیٰ کو مامور کیا گیا کہ فرعون سے صاف صاف کہدیں کہ وہ ظالم وجابر ہے، اور وہ بنی اسرائیل پر مسلط ہے، وہ بنی اسرائیل جو انبیائے کرام کی اولاد تھے، اور جن کے آباء ——— (اس وقت کی دنیا میں) ایمان باللہ اور عقیدۂ توحید کے تنہا وارث تھے، یہاں معاملہ کسی خاص قوم کا یا کسی انسانی گروہ کا نہ تھا، جن سے دنیا کبھی خالی نہیں رہی، اور اس طرح کے انسانی گروہ آج بھی پائے جاتے ہیں، اگر کسی ایسے گروہ کا معاملہ ہوتا جس پر کوئی ظالم وجابر قابض ہوگیا ہو اور جن کو ظلم وبہیمیت کے ذریعہ غلام بنائے ہوئے تھا، اور عقیدے کی بنیاد پر ان کو مصائب اٹھانا پڑ رہے تھے تو بات آسان اور معمول کے مطابق سمجھی جاتی، کیوں کہ آئے دن اور ہر جگہ ایسا ہوتا رہتا ہے اور تاریخ کے ہر دور میں ایسی مثالیں ملتی ہیں، اور آئندہ بھی اس طرح کی صورتِ حال سے انسانی آبادی کا دوچار ہونا بعید نہیں ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

بنی اسرائیل کی ان کے معاصرین کے مقابلہ میں جداگانہ نوعیت و خصوصیت

صورت حال اس درجہ سادہ اور معمولی نہ تھی، صورت حال یہ تھی کہ دینی و اخلاقی قدروں میں انحطاط، اور بہت سی کمزوریوں کے باوجود، یہی ایک باقی ماندہ قوم تھی، جسے ایمان باللہ صحیح معنوں میں حاصل تھا، اور عقیدۂ توحید کی وارث و امین تھی، تاریخ کی شہادت ہے کہ بنی اسرائیل اپنی اخلاقی و دینی کمزوریوں کے باوجود، تاریخ کے ہر دور میں (کسی نہ کسی درجہ میں) عقیدۂ توحید پر قائم رہے، ایک زمانہ ایسا گزرا ہے کہ سوائے یہود کے کوئی عقیدۂ توحید کا شناسا بھی نہ تھا، مفسرین نے قرآن مجید میں دنیا کی قوموں پر فضیلت کا بار بار ذکر کرنے کی توجیہ یہی کی ہے کہ شرک و بت پرستی کی اس تاریکی میں وہ تنہا عقیدۂ توحید کا چراغ روشن کئے ہوئے تھے۔[1]

صورت حال صرف اس قدر نہ تھی کہ بنی اسرائیل فرعون اور اس کی فوج کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندے جارہے تھے، اور ایک ظالم و جابر حاکم وقت کے رحم و کرم پر پڑے تھے، بلکہ صورت حال یہ تھی کہ بنی اسرائیل عقیدۂ توحید کے حامل، اور میراثِ نبوت کے امین تھے، یہ اس امانت کے حامل تھے، جو (اس دور میں) انبیائے سابقین علیہم السلام کی تعلیمات کا مجموعہ تھی۔

---

[1] اللہ تعالیٰ نے تاکید و تکرار کے ساتھ اس حقیقت کو یاد دلایا ہے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ	اے یعقوب کی اولاد وہ احسان یاد کرو جو میں
عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝	نے تم پر کئے تھے اور یہ کہ میں نے تم کو جہان کے
(سورۂ بقرہ۔ ۴۷)	لوگوں پر فضیلت بخشی تھی۔

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت موسیٰ پر دوہری ذمہ داریاں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نوعیت دوسرے انبیائے کرام سے جُداگانہ ہے، کیونکہ آپ پر دوہری ذمہ داری تھی، ایک ذمہ داری تو پیغام حق پہونچانے اور فرعون کو اُس خدائے واحد وقہار کی طرف متوجہ کرنے کی تھی، جس کا کوئی حکومت اور قانون سازی میں، شریک نہیں، اور دوسری ذمہ داری یہ تھی کہ فرعون سے مطالبہ کریں کہ وہ بنی اسرائیل کو آزاد کردے، اور ان کے قیدیوں کو رہا کردے، چنانچہ قرآن مجید میں صاف صاف فرمایا گیا:۔

فَأْتِيَاهُ فَقُولَا إِنَّا رَسُولَا رَبِّكَ
فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ
قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكَ وَالسَّلَامُ
عَلَىٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ ۝
(سورۂ طٰہٰ۔ ۴۷)

(اچھا) تو تم اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ
ہم آپ کے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں،
تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے کی اجازت
دیجئے، اور انھیں عذاب نہ کیجئے، ہم آپ کے
پاس آپ کے پروردگار کی طرف سے نشانی
لے کر آئے ہیں، اور جو ہدایت کی بات مانے
اس پر سلامتی ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا یہی وہ رُخ ہے، جو ان کی دعوت کو دوسرے انبیائے کرام کی دعوتوں سے ممتاز کرتا ہے لیکن ان کی پوزیشن نازک تھی، کیوں؟ اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرگزشت منفرد نوعیت کی تھی، ان کی زندگی کا نشیب و فراز دوسروں سے بہت مختلف تھا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فرعون کے منصوبہ اور انتظامات کی ناکامی

حضرت موسیٰؑ ایک انتہائی تاریک، صبر آزما، گھٹے ہوئے بلکہ مردم خور ماحول میں پیدا ہوئے، فرعون نے اپنے انٹیلیجنس (INTELLIGENCE) کو (جیسا کہ موجودہ اصطلاحات میں کہا جاتا ہے) یا اپنے محکمۂ پولیس کو ہدایت دی تھی کہ بنی اسرائیل میں کسی نومولود لڑکے کو زندہ نہ چھوڑے:۔

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ	فرعون نے ملک میں سر اٹھا رکھا تھا اور
اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً	وہاں کے باشندوں کو گروہ گروہ بنا رکھا
مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ	تھا، ان میں سے ایک گروہ کو یہاں تک
نِسَآءَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝	کمزور کر دیا تھا کہ ان کے بیٹوں کو ذبح
(القصص۔۴)	کر دیتا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے
	دیتا، بیشک وہ مفسدوں میں تھا۔

فرعون نے اپنا پلان بہت باریک بینی سے تیار کیا تھا جس طرح ترقی یافتہ، منظم حکومتیں اپنے پلان تیار کرتی ہیں، یہ پلان یہ تھا کہ بنی اسرائیل میں کوئی لڑکا نہ ہونے پائے، اور ایک نسل اس طرح گزر جائے تو بنی اسرائیل کی طرف سے ہمیشہ کے لئے بے فکر ہو جائے گا صرف عورتیں رہ جائیں گی، ان سے ضرر نہیں، ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیا جائے، اور عورتوں کو زندہ چھوڑ دیا جائے، فرعون نے ایک مطلق العنان حکمراں کی طرح جس کے احکام کی کہیں اپیل نہ ہو سکے، اپنا فرمان نافذ کر دیا، اور یہ چاہا کہ بنی اسرائیل میں کوئی معمولی سطح کا بھی لڑکا زندہ نہ رہنے پائے لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ مرضی تھی کہ ان میں ایک

www.abulhasanalinadwi.org

عظیم شخصیت پیدا ہو، فرعون کی یہ تدبیر تھی کہ بنی اسرائیل سے نجات حاصل کرے، اور بنی اسرائیل میں ایسا لڑکا نہ پیدا ہونے دے، جو اس کی سلطنت وعظمت کا خاتمہ کرنے والا ثابت ہو، اور اس کے پلان کو برباد کردے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے سارے منصوبے خاک میں ملادئے اور موسیٰ کی پیدائش مقدر کردی، وہ موسیٰ جن کے خوف سے بچے ذبح کئے جارہے تھے، فرعون کے کارندے بچوں کو حضرت موسیٰ کی وجہ سے قتل کررہے تھے لیکن وہ نومولود جس سے فرعون کو خدشہ تھا پیدا ہوکر رہا، اور اللہ کی مرضی پوری ہوئی، وہ پیدا ہوا، پلا، بڑھا، جوان ہوا لیکن کیسے پیدا ہوا، اور کیسے بچ گیا، کیوں کر پلا اور بڑھا، یہ انسانی تاریخ کے عجائبات میں سے ہے، اور قدرتِ الٰہی کا معجزہ ہے کہ وہ بچہ اپنے سخت ترین دشمن کی گود میں پلا۔

خرقِ عادت کا پورا ماحول

اپنی نگاہِ تصور میں اس پورے ماحول کو رکھئے جس میں ایک ایک بات خرقِ عادت کا مظہر ہے، شروع سے آخر تک قدرتِ خداوندی کی معجز نمائی کا منظر ہے:۔

فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ	تو فرعون کے لوگوں نے اس کو اٹھالیا،
عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۭ اِنَّ فِرْعَوْنَ	اس لئے کہ نتیجہ یہ ہونا تھا کہ وہ ان کا دشمن
وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا	اور ان کے لئے موجب غم ہو، بیشک فرعون
خٰطِـِٕيْنَ ۝ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ	اور ہامان اور ان کے لشکر چوک گئے، اور
قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ۡ لَا تَقْتُلُوْهُ	فرعون کی بیوی نے کہا کہ یہ میری اور تمہاری
عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا	دونوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کو

www.abulhasanalinadwi.org

وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ
اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا اِنْ كَادَتْ
لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى
قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝
وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ فَبَصُرَتْ
بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝
وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ
فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ
يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ۝
فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا
وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ
حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

(القصص ۔ ۸ تا ۱۳)

قتل نہ کرنا شاید یہ ہمیں فائدہ پہونچائے
یا ہم اسے بیٹا بنالیں، اور وہ انجام سے
بے خبر تھے، اور موسیٰ کی ماں کا دل بے صبر
ہوگیا اگر ہم ان کے دل کو مضبوط نہ کردیتے
تو قریب تھا کہ وہ اس قصے کو ظاہر کریں
غرض یہ تھی کہ وہ مؤمنوں میں رہیں اور
اس کی بہن سے کہا کہ اس کے پیچھے پیچھے
چلی جا تو وہ اسے دور سے دیکھتی رہی اور
ان لوگوں کو کچھ خبر نہ تھی، اور ہم نے پہلے ہی سے
دائیوں کے دودھ اس پر حرام کردیئے تھے،
تو موسیٰ کی بہن نے کہا کہ میں تمہیں ایسے گھر
والے بتاؤں کہ تمہارے لئے اس بچے کو
پالیں اور اس کی خیر خواہی سے پرورش
کریں، تو ہم نے اس طریق سے ان کو ان کی
ماں کے پاس واپس پہونچا دیا کہ ان کی آنکھیں
ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کھائیں، اور
معلوم کریں کہ خدا کا وعدہ سچا ہے لیکن
یہ اکثر آدمی نہیں جانتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام (فرعون کے گھر میں پرورش پانے اور پروان چڑھنے کے بعد)

www.abulhasanalinadwi.org

پھر وہاں سے بغیر اجازت نکل کھڑے ہوئے ایک قبطی کو ہلاک کرنے کا واقعہ پیش آیا جو شاہی خاندان یا شاہی قوم میں سے تھا:۔

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۚ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۚ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ۝

(القصص۔ ۱۵)

اور وہ ایسے وقت شہر میں داخل ہوئے کہ وہاں کے باشندے بے خبر ہو رہے تھے تو دیکھا کہ وہاں دو شخص لڑ رہے ہیں ایک تو موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا ہے اور دوسرا ان کے دشمنوں میں سے ہے تو جو شخص ان کی قوم میں سے تھا اس نے دوسرے شخص کے مقابلے میں جو موسیٰ کے دشمنوں میں سے تھا موسیٰ سے مدد طلب کی تو انھوں نے اس کو مکا مارا اور اس کا کام تمام کر دیا کہنے لگے کہ یہ کام تو اغوائے شیطان سے ہوا بیشک وہ انسان کا دشمن اور صریح بہکانے والا ہے۔

یہ ایک کھلا معجزہ تھا، قدرتِ خداوندی کا کھلا اظہار تھا، اللہ کی روشن نشانیوں میں سے روشن ترین نشانی تھی کہ اللہ دعوت و تبلیغ اور بنی اسرائیل کی نجات دہندگی کے لئے ایک ایسے شخص کو منتخب فرماتا ہے، جس کی پوزیشن بنی اسرائیل میں سب سے زیادہ کمزور اور نازک تھی۔

www.abulhasanalinadwi.org

ایمانی اور قلبی قوتوں کی کاوشیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو (جن کا تذکرہ قرآن کریم نے سورۂ قصص میں تفصیل سے کیا ہے اور دوسری سورتوں میں کہیں اجمال سے اور کہیں کسی درجہ تفصیل سے) اللہ کے دین کی طرف بلائے جانے پر مامور کیا جاتا ہے اور ساتھ ہی بنی اسرائیل کو آزاد کرانے کی مہم بھی سپرد کی جاتی ہے اور یہ دونوں کام سخت ترین کاوش و کاہش چاہتے ہیں، دعوت الی اللہ کا کام سخت جاں کا ہی کا کام ہے، اس میں ایمان، ضبط نفس، صبر، اللہ پر بھروسہ اور یقین سبھی درکار ہیں، اسی طرح ایک قوم کی آزادی کا حصول کوئی آسان مہم نہیں ہے سخت ترین کاوش چاہتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اندر ان دونوں گرانبار ذمہ داریوں کے احساس نے ایک تردد اور جھجھک کی کیفیت پیدا کر دی تھی، جس کی طرف قرآن کریم نے انہی کی زبانی اشارہ کیا ہے :-

وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ أَنْ	اور ان لوگوں کا مجھ پر ایک گناہ (یعنی
يَقْتُلُونِ ۝	قبطی کے خون کا دعویٰ) بھی ہے سو مجھے
(الشعراء - ۱۴)	خوف ہے کہ مجھے مار ہی ڈالیں۔

یہ وہی بات ہے جس کی طرف فرعون نے اشارہ کیا تھا :-

وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ	اور تم نے وہ کام کیا تھا جو کیا اور تم ناشکرے
وَأَنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ۔	معلوم ہوتے ہو۔

اسی فرعونی آگاہی، یا دھمکی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اندر یک گونہ جھجھک سی پیدا کر دی تھی، ایک ہچکچاہٹ کی کیفیت تھی جس کا اظہار وہ خود فرما رہے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے

www.abulhasanalinadwi.org

ان دونوں مہموں کے لئے ان کو منتخب فرمالیا تھا، اور ان کاموں کے لئے ان سے بہتر اور موزوں کوئی دوسرا شخص نہیں ہوسکتا۔

قرآن کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت اور کارِ نبوت کی ادائیگی کا ایک وہ منظر پیش کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح ایک صاحبِ وحی پیغمبر اور صاحبِ حکمت مبلّغ و داعی اپنی بات پیش کرتا ہے اور وہ کس طرح ایمانی غیرت و حمیت، دعوت الی اللہ کی نزاکتوں سے پوری واقفیت اور اس کے شعور کو ایک ساتھ لے کر چلتے ہیں، وہ ایک نبی برحق تھے، پوری امت کے لئے اسوہ اور مثال تھے ان کے طریقِ خطاب سے واضح ہوجاتا ہے کہ وہ لوگ جن کو اللہ اپنے دین کی خدمت کے لئے منتخب فرماتا ہے ان کا انداز کلام اور اسلوب خطاب کیا ہوتا ہے، اور ان لوگوں کا انداز کیا ہوتا ہے جو خوشامد اور چاپلوسی کو اپنا شعار بناتے ہیں، اور پیشہ ورانہ انداز میں دعوت کی انجام دہی کا دم بھرتے ہیں، اور اپنے آپ کو حقیقت پسند یا "واقعی صورتِ حال کا اعتراف کر کے کام کرنے والا" شمار کرتے ہیں۔

اللہ کا محبوب ترین بندہ۔ ایک مبغوض ترین بندہ کے پاس جاتا ہے

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرماتا ہے حضرت موسیٰ اس کے پسندیدہ بندے اور نبی برحق ہیں، مگر کس کی طرف اور کہاں بھیجے جارہے ہیں؟ ایک ایسے دشمن کے پاس جو اللہ کا دشمن ہے، ایک محبوب ترین فرد — ایک انتہائی قابلِ نفرت مخلوق کی طرف بھیجا جارہا ہے، ایک اس کنارے پر ہے، دوسرا اس کے برعکس دوسرے کنارے پر کھڑا ہے، ایک دوسرے کے بالکل متضاد ہیں،

www.abulhasanalinadwi.org

دو عام انسانوں میں اس درجہ تفاوت نہیں ہوتا، یہ تفاوت ایسے دو افراد کے درمیان پایا جاتا ہے، جو ایک دوسرے کی ضد ہیں، اپنے وقت کا سب سے بڑا پیغمبر اس شخص کے پاس بھیجا جا رہا ہے، جو قدرتِ حق کو چیلنج کرتا ہے، عظمتِ خداوندی کو چیلنج کرتا ہے، حدیثِ قدسی میں جس عظمت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عظمت میری چادر ہے، جو اس کو مجھ سے چھیننے گا اس کو پیس کر رکھ دوں گا) فرعون نے اس عظمتِ خداوندی کو چیلنج کیا تھا، اس کی جرأت، بے باکی اور دریدہ دھنی اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ وہ:

اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى — تمہارا سب سے بڑا مالک میں ہوں۔

کا اعلان کر رہا تھا، ایسے شخص کے پاس جو صرف کفر و انکار کا مرتکب نہیں تھا، بلکہ خود خدائی کا دعویدار بن بیٹھا تھا، ایک مجرم اور قابلِ نفرت و لعنت وجود کے پاس ایک محبوب شخصیت کو بھیجا جا رہا ہے، اور ان کو ہدایت کیا دی جاتی ہے؟

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ — اور اس سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ

اَوْ يَخْشٰى۔ (طٰہٰ۔ ۴۴) — غور کرے یا ڈر جائے۔

اس ہدایت الٰہی کے بعد کسی داعی و مبلغ کے لئے اس امر کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ دعوت کے کام میں سخت کلامی یا لہجہ کی ترشی سے بات کرے اور اس کی کوئی بھی تاویل کر سکے کیونکہ بے باکی، انکار، سرکشی میں فرعون سے سبقت و فوقیت لے جانے والے شخص کا تصور بھی مشکل ہے، جو یہ کہے "اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى" لیکن اس سے بھی بات کرنے کے لئے جب پیغمبرِ وقت کو بھیجا گیا تو یہ ہدایت کی گئی کہ نرم لہجہ میں بات کرنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھ حضرت ہارون علیہ السلام کو جب یہ حکم ملا کہ فرعون کے دربار میں داخل ہو کر اس کے سامنے کلمۂ حق کہیں تو:۔

www.abulhasanalinadwi.org

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى (طٰہٰ - ۴۵)

دونوں کہنے لگے کہ ہمارے پروردگار ہمیں خوف ہے کہ وہ ہم پر تعدی کرنے لگے یا زیادہ سرکش ہو جائے۔

چونکہ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ ایک نزاکت تھی، اور ان کی پوزیشن میں کمزوری تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ۝ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۡ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۭ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ عَلٰي مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۝ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰي مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝ (طٰہٰ - ۵۰-۴۶)

ڈرو مت! میں تمہارے ساتھ ہوں اور سنتا اور دیکھتا ہوں، پاس جاؤ! اور کہو کہ ہم آپ کے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دیجئے اور انھیں عذاب نہ دیجئے ہم آپ کے پاس آپ کے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں، اور جو ہدایت کی بات مانے اس کی سلامتی ہے ہماری طرف سے یہ وحی آئی ہے کہ جو جھٹلائے اور سر پھیرے اس کے لئے عذاب (تیار) ہے (غرض موسیٰ اور ہارون، فرعون کے پاس گئے) اس نے کہا تمہارا پروردگار کون ہے؟ کہا ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر شئی کو شکل صورت بخشی پھر راہ دکھائی۔

www.abulhasanalinadwi.org

فرعون کے ترکش کا ایک زہریلا تیر

فرعون کا شیطانی دماغ تیزی سے کام کرنے لگا، اور اس نے اپنے ترکش سے ایک ایسا زہر میں بجھا ہوا تیر نکالا جو کبھی خطا نہیں کرتا، ایسا تیر جو کسی بھی ذہین سے ذہین زیرک اور دانا و بینا مبلغ پر پھینکا جائے تو بغیر اپنا کام کئے نہ رہے، خواہ وہ مبلغ دین بڑے سے بڑا فاضل روزگار ہو، اور اس نے تبلیغ کے فلسفہ کا مطالعہ کیا ہو، نفسیات کا ماہر ہو، علم الاجتماع (سوشیولوجی) اور فن مناظرہ میں یکتا ہو، جو بھی ہو، اس تیر سے اس کا گھائل ہونا یقینی ہے، وہ تیر یہ تھا کہ فرعون نے پوچھا:۔

فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی (طٰہٰ-۵۱) تو پہلے گزرے ہوئے لوگوں کا کیا حال ہے؟

فرعون کی شیطانی عقل و ذہانت کا ایک نادر سوال تھا، وہ چاہتا تھا کہ اس کے دربار میں جو لوگ موجود تھے، ان میں حضرت موسیٰ کے خلاف سخت اشتعال اور جذبات نفرت پیدا کر دے، اور حضرت موسیٰ سے اس ... بات بھی حاصل کر لے، اس طرح ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتا تھا، ایک تو ... دعوتِ توحید کو نظر انداز کر دے، کیوں کہ یہ دعوت اس کے لئے انتہائی بھیانک چیز تھی، توحید کا عقیدہ دلوں کے تار ہلا دیتا ہے، فطرت انسانی کے اندر چھپا ہوا ایمان اس سے ابھر آتا تھا، فرعون کے حاشیہ نشین بھی تو آخر بشر ہی تھے، اور ان میں سمجھدار اور ہوشمند لوگ بھی تھے، ایسے بھی ہوں گے جن کا ضمیر مردہ نہیں ہوا ہوگا، لہذا ممکن تھا کہ دعوتِ توحید ان کے اندر کا جذبۂ ایمان ابھار دے، لہذا فرعون کی یہ کوشش ہوئی کہ وہ کسی طرح اس سوال کو ٹال جائے، اور لوگوں کی نگاہ سے اس سوال کو اوجھل کر دے، اس لئے کہ یہ فرعون کی دکھتی رگ تھی،

www.abulhasanalinadwi.org

اور وہ اس عقیدہ سے انتہائی درجہ میں خائف تھا، اس لئے اس نے ایک ایسا سوال کر دیا، جس سے اس کے حاشیہ نشین اور مصاحب سب کے سب چوکنے ہو جائیں، اور حضرت موسیٰ کے متعلق یہ محسوس کرنے لگیں کہ یہ ان کو آبا و اجداد کے راستہ سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا اس نے سوال کیا "تو پہلے گزرے ہوئے لوگوں کا کیا حال ہے؟" اس کے جواب دو ہی ہو سکتے تھے، یا تو صاف اور صریح جواب بغیر کسی لاگ لپٹ کے دے دیتے کہ وہ لوگ جہنم میں ہیں :-

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	تم اور جو کچھ پوجتے ہو اللہ کے سوا جھونکنا ہے
حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ۔ (الانبیاء-۹۸)	دوزخ میں، تم کو اس پر پہونچنا ہے۔

یہ کہتے تو ظاہر ہے بات کا راستہ ہی بند ہو جاتا، سب غیظ و غضب میں بپھر جاتے اور ان کی رگِ حمیت جو دراصل جاہلیت کی رگ تھی، اُبھر آتی، سب یا تو وہاں سے خفا ہو کر نکل جاتے یا سب مل کر حضرت موسیٰ پر ٹوٹ پڑتے، یا شور و ہنگامہ برپا ہو جاتا موسیٰ تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ ہمارے آبا و اجداد کی توہین کرتے ہو، اور ہمارے احساسات کو پامال کرتے ہو؟؟

حکمتِ پیغمبرانہ اور مکمل معجزہ

دوسری صورت یہ ممکن تھی کہ حضرت موسیٰ خاموش رہ جاتے، یا سیاست و "حکمت" سے کام لیتے مثلاً کہتے کہ جہاں تک بزرگانِ سلف کا تعلق ہے، ان کا احترام ہمارے دل میں بھی ہے، اور وہ لوگ بلاشبہ بڑے عالم و بزرگ تھے، اور اس طرح کی منہ دیکھی بات کرتے، اگر ایسا کرتے تو فرعون یہیں پر ان کو پکڑ لیتا، اور کہتا کہ اگر وہ عالم و بزرگ تھے،

www.abulhasanalinadwi.org

اور قابلِ احترام تھے، تو ہمارا عقیدہ بھی بعینہٖ وہی ہے جو ان کا عقیدہ تھا:۔

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی ۝ — کہا تو پہلی جماعتوں کا کیا حال ہے؟

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ كِتٰبٍ ۚ — کہا: ان کا علم میرے پروردگار کو ہے

لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسَی ۝ — جو کتاب میں (لکھا ہوا) ہے میرا پروردگار

(طٰہٰ ۵۲-۵۱) — نہ چوکتا ہے نہ بھولتا ہے۔

لیکن انھوں نے یہاں سے روئے سخن پھر اس موضوع کی جانب پھیر دیا جو پہلے سے چل رہا تھا، جیسے بات سے بات نکلتی ہے، یہ ممکن تھا کہ وہ فرماتے، ان کے متعلق معلومات تاریخ میں ملینگی، لیکن اگر ایسا کہتے تو صورتِ حال بدل جاتی، پھر تو فرعون بولنے اور تقریر کرنے لگتا، اور لوگوں کے تصنیف کردہ افسانے جن کو تاریخی روایات کا درجہ دے دیا جاتا ہے، اور جن کی اس کے زمانے اور عہدِ حکومت میں "تاریخی حقائق" کی طرح تعلیم و تلقین کی جاتی ہوگی، ان سے استدلال کرتا، لہٰذا حضرت موسیٰ نے ایسی بات کہی جس کا کوئی جواب ہی نہ تھا، اور جس سے کوئی مفر نہیں ہو سکتا تھا:۔

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ كِتٰبٍ۔ — کہا: اس کا علم میرے پروردگار کو ہے جو کتاب میں لکھا ہے۔

ذرا ان الفاظ اور ان کی سادگی اور گہرائی کو ملاحظہ کیجئے، کتنی جچی تلی بات کیسے نپے تلے لفظوں میں کہدی، یہ ہے حکمت نبوت، دعوت کا اعجاز کامل، اگر ہم میں سے کوئی ایسی آزمائش میں پڑ جائے تو ایک نہیں ہزاروں طریقے پر اپنا مقصد ادا کر سکتا ہے، اور مشکل سے نجات پا سکتا ہے، مثلاً کہتے اس کو چھوڑو "یہ بات علیحدہ ہے" میرا مطلب گزشتہ زمانے سے نہیں بلکہ مجھے تو آج کی فکر ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

www.abulhasanalinadwi.org

دعوت پر پختگی کے ساتھ جمے رہنا اور کسی حال میں اس مقصد کو فراموش نہ کرنا

لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعوت کی بات ترک نہیں کی، اور گفتگو کا جو سرا ان کے ہاتھ تھا اس کو نہیں چھوڑا، اور بہت تیزی سے اصلی موضوع پر آگئے، اس تیزی سے جس سے زیادہ سرعت اور بلاغت کا تصور نہیں ہو سکتا، اور وہ حکمت اختیار کی جس سے زیادہ گہری حکمت دیکھی نہیں گئی، ایک لفظ میں سارا مسئلہ حل کر دیا، "عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ" اور یہ کہتے ہی اپنے موضوع پر آگئے "عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى" (کہا ان کا علم ہمارے پروردگار کو ہے جو کتاب میں لکھا ہوا ہے، میرا پروردگار نہ چوکتا ہے اور نہ بھولتا ہے) اور اپنی بات کا تسلسل ٹوٹنے نہیں دیا، اور اللہ تعالیٰ کی انہی صفات کا ذکر کرنے لگے جن سے فرعون بھاگنا چاہتا اور بات کا رخ پھیرنا چاہتا تھا، ایسی مختصر آیت کو پڑھتے ہی ادبی ذوق کو وجد آنے لگتا ہے، ادب وبلاغت کے اس حسین شاہکار سے روح جھوم اٹھتی ہے اور عقل سر نیاز خم کر دیتی ہے:۔

عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ لَا يَضِلُّ	ان کا علم میرے پروردگار کو ہے جو کتاب میں
رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ	لکھا ہوا ہے میرا پروردگار نہ چوکتا ہے
مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّأَنْزَلَ	نہ بھولتا ہے، وہی تو ہے جس نے تم لوگوں
مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهٖ	کے لئے زمین کو فرش بنایا اور اس میں
أَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى كُلُوْا وَارْعَوْا	تمہارے لئے رستے جاری کئے، اور آسمان
أَنْعَامَكُمْ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِّأُولِي	سے پانی برسایا پھر اس نے انواع واقسام
النُّهٰى ۞ (طٰہٰ ۵۲-۵۴)	کی مختلف روئیدگیاں پیدا کیں کہ خود بھی

www.abulhasanalinadwi.org

کھاؤ اور اپنے چارپایوں کو بھی چراؤ بیشک
ان باتوں میں عقل والوں کے لئے بہت سی
نشانیاں ہیں۔

فرعون کی فکری پینترا بازی[1] اور حضرت موسیٰؑ کی استقامت اور کامیابی

دوسری مثال سورۂ شعراء میں ملتی ہے:۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝	فرعون نے کہا کہ تمام جہاں کا مالک کیا؟ کہا کہ
قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا	آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں
اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝ قَالَ لِمَنْ	میں ہے سب کا مالک، بشرطیکہ تم لوگوں کو
حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ۝ قَالَ	یقین ہو۔ فرعون نے اپنے اہالی وموالی سے
رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ قَالَ	کہا کیا تم سنتے نہیں ہو؟ (اس نے) کہا
اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ	کہ تمہارا اور تمہارے باپ دادا کا مالک
لَمَجْنُوْنٌ ۝	(فرعون نے) کہا کہ (یہ) پیغمبر جو تمہاری
(الشعراء - ۲۳ - ۲۷)	طرف بھیجا گیا ہے، باؤلا ہے۔

فرعون کی یہ فکری پینترا بازی تھی، اور گفتگو کا رخ بدلنے کی انتہائی چالاک کوشش، وہ چاہتا تھا کہ اصل موضوع سے لوگوں کی توجہ ہٹادے، اپنی قوتِ گفتار، انسانی وقومی نفسیات

---

[1] عربی میں حضرت مصنف مدظلہ نے (مراوغہ) کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا مقصد پینترا بدلنا، آگے بڑھ کر پیچھے مڑنا، اور اچانک حملہ کرنا جس سے کھلاڑی کبھی کام لیتا ہے۔ انگریزی میں ڈاج ــــ کا لفظ (DODGE) بھی اس سے قریب مفہوم رکھتا ہے، اردو میں پینترا بازی سے مفہوم ایک حد تک ادا ہو جاتا ہے (مترجم)

www.abulhasanalinadwi.org

سے واقفیت (جو ایک تجربہ کار حکمراں کو حاصل ہوتی ہے) اور سیاسی داؤ پیچ سے بات کو ٹال دے، اور حضرت موسیٰ سے نمٹ لے، ادھر حضرت موسیٰ کا کمال یہ تھا کہ وہ موضوع سے ذرا بھی ٹلنے کے لئے تیار نہیں تھے، فرعون نے کہا "وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ" (سارے جہانوں کا پروردگار کیا؟) وہ چاہتا تھا کہ حضرت موسیٰ کوئی ایسا جواب دیں جس سے بات دوسرا رُخ اختیار کرلے، اور مناظرہ چل پڑے لیکن حضرت موسیٰ نے پھر وہی دکھتی رگ پکڑی "قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ" (فرمایا وہ جو رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان کا جو ان دونوں کے درمیان ہے ـــــ بشرطیکہ تم یقین کرو) اس کا مطلب یہ تھا کہ خود فرعون کا تختِ سلطنت ایسا ہے، جس کے کوئی پائے نہیں ہیں، مگر انھوں نے یہ کہا نہیں، اور صرف اس پر اکتفا نہیں کیا کہ "رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا" بلکہ یہ بھی ساتھ ساتھ کہہ دیا "اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ" (بشرطیکہ تم یقین کرو) اس طرح چیلنج کر دیا اور اصل مرض کی نشاندہی فرمادی (اگر تم یقین کرتے ہو) یعنی تم ایمان سے محروم ہو، اگر ایمان ہوتا تو دیکھ سکتے تھے کہ سارے جہانوں کا پروردگار وہی ہے، جو آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان ہر شئی کا مالک اور پروردگار ہے۔

فرعون کے ترکش میں ایک ہی تیر تھا جس کو اس نے آزمالیا

فرعون کے پاس حضرت موسیٰ کی زبان بندی اور لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکانے کا ایک ہی ذریعہ تھا، جس کو وہ بار بار استعمال کر رہا تھا، قرآن کریم نے اس کو متنوع پیرایوں میں ذکر کیا ہے "قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗۤ" اپنے ہالی موالی سے کہا "اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ" سنتے نہیں؟ یہ کیا کہہ رہے ہیں!! یعنی کیا تمہاری رگِ حمیت نہیں بھڑکتی؟ تمہیں غیرت نہیں آتی؟ تم کو

www.abulhasanalinadwi.org

میری طرف سے جواب دینے اور منہ بند کرنے کی ہمت نہیں ہوتی؟ سنتے نہیں یہ کیا کہہ رہا ہے! لیکن قبل اس کے کہ وہ بولتے ان میں جوش پیدا ہوتا حضرت موسیٰ نے بات پوری کردی "رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ" (تمہارا اور تمہارے آباء واجداد کا پروردگار ہے) فرعون نے پھر ایک بار کوشش کی کہ ان کی بات کو ہوا میں اڑادے، اور تحقیر کے انداز میں مذاق اڑانے کا اسلوب اختیار کیا "اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ" یہ تمہارا پیغمبر جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے پاگل ہے! فرعون سمجھتا ہوگا کہ حضرت موسیٰ اس بات کے جواب میں اپنی مدافعت کریں گے، اور کہیں گے کہ نہیں میں پاگل نہیں ہوں۔

فرعونی ترکش کا آخری تیر

فرعون اس انسانی کمزوری سے واقف تھا کہ اگر کسی شخص کی ذات پر حملہ کیا جاتا ہے تو وہ اشتعال میں آجاتا ہے، اس سے اپنی توہین برداشت نہیں ہوتی، قرآن کریم نے اس ماحول اور مناظر کی وہ منظر کشی کی ہے، جیسے ہم دیکھ اور سن رہے ہیں، فرعون سمجھتا تھا کہ اس کے جواب میں حضرت موسیٰ بپھر پڑیں گے اور کہیں گے کہ کون کہتا ہے کہ میں پاگل ہوں، بلاؤ کسی ڈاکٹر حکیم کو کسی ماہر امراض کو میرا معائنہ کرے، فرعون نے جب حضرت موسیٰ کو باؤلا اور پاگل کہا تو اس کا مقصد یہی تھا، لیکن حضرت موسیٰ نے سب سنی اَن سنی کرکے اپنی ہی بات جاری رکھی۔

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ	کہا کہ مشرق اور مغرب اور جو کچھ ان دونوں
وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝	میں ہے سب کا مالک، اگر تم کو
(الشعراء - ۲۸)	سمجھ ہو۔

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت موسیٰ نے اپنی بابت کچھ نہیں کہا، نہ اپنی مدافعت میں ایک لفظ بولے، وہ اللہ کے فرستادہ پیغمبر برحق تھے، ان کے سپرد یہ مہم تھی کہ اللہ کے دین کی ان کو دعوت دیں، یہ سب باتیں (باؤلا، پاگل کہنا) ان کو یہ افروختہ نہیں کر سکتی تھیں، اور ان کی دعوتِ حق کے مقابلے میں اس کی حیثیت ہی کیا تھی، اور ایسے ماحول میں جس پر شرک چھایا ہوا ہو جس میں بت پرستی عام ہو جس میں جرائم اور معاصی کی پرورش ہو رہی ہو، جہاں آبرو باختہ باعزت افراد کی پگڑیاں اچھالنے کے درپئے ہوں جس ماحول میں معصوم بچے اور بے گناہ افراد قتل کئے جاتے ہوں، ایسے ماحول میں مجنون اور پاگل کی پھبتی اور چوٹ کوئی بڑی بات نہ تھی، لہذا انھوں نے سنی اَن سنی کر کے فرمایا کہ وہ رب وہی رب ہے، جو مشرق و مغرب اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے، سب کا پروردگار ہے، اس پر مزید ایک لفظ بڑھا دیا "اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ"

یہ تیر فرعون کے جگر کو چھلنی کر گیا، وہ تو سمجھتا تھا کہ مصر میں وہی رب المشرق والمغرب ہے، اس کی سمجھ یہی تھی کہ سارا عالم مصر سے عبارت ہے، اور وہ چونکہ مصر کا مالک ہے، لہذا سارا عالم اس کے قدموں کے نیچے ہے، حضرت موسیٰ نے مشرق و مغرب اور ان دونوں کے درمیان دنیا کا ذکر کر کے اسی کے غرور حکمرانی پر ضرب کاری لگائی، اور وہ بنیاد ہی ڈھا دی جس پر فرعون کی جھوٹی خدائی کی عمارت قائم تھی، اور جس پر اس کو بڑا ناز تھا۔

پیغمبرانہ دعوت و حکمت کا یہ ایک نمونہ تھا، اس نمونہ میں دعوت دینے والا اور جس کو دعوت دی گئی ہے دونوں کی نوعتیں مختلف اور جداگانہ نظر آتی ہیں، دعوت کا موضوع پیچیدہ اور نازک تھا، اور داعی کی پوزیشن بڑی نازک اور کشمکش والی تھی،

www.abulhasanalinadwi.org

جس کو دعوت دی جارہی تھی، وہ ایک شہنشاہ اور حکمراں مطلق العنان تھا، اسی لئے اس نمونۂ دعوت کا مطالعہ ہماری خصوصی توجہ کا طالب ہے، اس سے دوررس نتائج نکل سکتے ہیں، اور اس سے طریق دعوت کے واضح اصول و ہدایات اخذ کی جاسکتی ہیں، جن سے دعوت کی فکری تعمیر اور عملی خاکہ بنانے میں بیش قیمت مدد مل سکتی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

خُطبہ (۵)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل

خانہ جنگی بسا اوقات بیرونی دشمنوں کے مقابلہ سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے

گزشتہ خطبہ میں یہ ذکر کیا گیا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے وقت کے سخت ظالم و جابر حکمراں فرعون کو دعوت دینے میں کیا رویہ اختیار کیا تھا، آج اس موقعہ پر اس امر کا جائزہ لینا ہے کہ ان کا خود اپنی قوم کے مقابلہ میں کیا موقف تھا؟

اندرونی کشمکش بسا اوقات سخت ابتلا کا باعث بن جاتی ہے، جب ایک خاندان یا قبیلہ کے افراد آپس میں دست و گریباں ہوتے ہیں، قلب و دماغ پر اس کے اثرات کچھ کم نہیں ہوتے بلکہ بیرونی دشمنوں سے نبرد آزما ہونے کے مقابلہ میں یہ بات زیادہ صبر آزما ہوتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم بنی اسرائیل سے جو سابقہ پڑا تو ان کا کیا موقف رہا؟

حضرت موسیٰؑ کے چار واضح اور فیصلہ کن مواقف

یہ سوال اپنی جگہ معقول ہے (یعنی حضرت موسیٰ کا اپنی قوم بنی اسرائیل کے مقابلہ میں بحیثیت ایک داعی اور مصلح کے کیا رویہ رہا؟) اور اس کا جواب ہمیں قرآن کریم سے

www.abulhasanalinadwi.org

جو ملتا ہے اس کو ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمیں چار نہایت صریح اور قطعی مواقف نظر آتے ہیں، اور ان کے مطالعہ سے ہم ایسے نتائج اخذ کر سکتے ہیں، جن کے ذریعہ دعوت دین کے اصول سمجھ سکیں، اور ساتھ ہی داعی کے مختلف مواقف کا اندازہ کر سکیں، مثلاً یہ کہ ایک داعی الی اللہ اپنی قوم کے افراد سے، اپنے قبیلہ یا خاندان کے افراد سے یا اپنے عزیزوں سے کس طرح مخاطب ہو، اور اگر کسی دشمن کو مخاطب کرنا ہو تو اس کا پیرائیہ بیان کیا ہونا چاہئے، اس مطالعہ سے ایک بات جو بہت ہی کھل کر سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ ایک داعی الی اللہ کا موقف ہمیشہ داعی ہی کا موقف رہتا ہے، خواہ وہ دشمن کو مخاطب کر رہا ہو یا عزیز ترین فرد خاندان کو، دعوت کا رنگ اس پر غالب رہے گا، اور داعی کی شان اس میں جھلکتی رہے گی، خواہ صورت حال کچھ بھی ہو، اور مخاطب جو بھی ہو، اس کی زبان دعوت کی زبان ہوگی، اس کے سامنے مقصد دعوت ہوگا، اور ہمیشہ اسی نغمہ کا تار چھیڑتا رہے گا، اور انداز بیان خواہ جو بھی ہو مگر اس کی نظر اس پر ہوگی کہ کس طرح دعوت کی بات دل میں اتار دے اور کس طرح دلوں کو قبول حق کے لئے تیار کرے، دعوت کے منافی جو بات ہوگی اس کو وہ ہاتھ نہیں لگائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سپرد جو مہم تھی، وہ اپنے ماحول اور گرد و پیش کے حالات کی بناء پر ایک خاص نوعیت کی مہم تھی، اس کا تعلق ان خاص حالات اور فضا سے بھی ہے جس میں وہ پیدا ہوئے اور پروان چڑھے۔

منصب نبوت اور سیاسی قیادت کا فرق

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس ضمنی مہم کو سمجھنے میں کسی حد تک غلط فہمی اور خلط ملط کا

www.abulhasanalinadwi.org

امکان ہے جس کے لئے وہ اللہ کی طرف سے مامور تھے، اور جس کا مقصد بنی اسرائیل کی آزادی کا حصول تھا، میں چاہتا ہوں کہ اس سلسلہ میں آپ کا ذہن صاف رہے بات یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا جو کام تھا (بنی اسرائیل کو آزادی دلانا) وہ ایسا کام تھا کہ جو بھی اس کو لے کر اٹھتا اس پر سیاسی رنگ غالب آجاتا، اور وہ سیاست کی زبان میں بات کرتا، قومی جوش سے پُر ہوتا "حقوق" اور دلیل کی بات کرتا اور حقیقت بھی یہی تھی کہ بنی اسرائیل کو فرعون نے غلام بنا رکھا تھا، اور وہ سخت مظالم کا شکار تھے، ایسے مظالم جن کی صحیح تصویر کشی صرف قرآن ہی کی بلیغ آیتوں میں ممکن تھی:۔

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ	اور (ہمارے ان احسانات کو یاد کرو
يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ	جب ہم نے تم کو فرعون سے مخلصی بخشی، وہ
اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ وَفِيْ	(لوگ) تم کو بڑا دکھ دیتے تھے، تمہارے
ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝	بیٹوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور بیٹیوں کو
(البقرہ ۔ ۴۹)	زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے
	پروردگار کی طرف سے بڑی سخت آزمائش تھی۔

سورۂ قصص میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ	کہ فرعون نے ملک میں سر اٹھا رکھا تھا اور وہاں
اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً	کے باشندوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا انہی میں سے
مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ	ایک گروہ کو (یہاں تک) کمزور بنا رکھا تھا کہ
اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝	ان کے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتا اور ان کی لڑکیوں
(القصص ۔ ۴)	کو زندہ رہنے دیتا، بیشک وہ مفسدوں میں تھا۔

www.abulhasanalinadwi.org

جس کی قوم پر یہ بیت رہی ہو، وہ جب اپنی قوم کی مدافعت میں اٹھ کھڑا ہوگا، اور ان کو آزاد کرانے کا بیڑا اٹھائے گا، اور ایسے ظالم کے چنگل سے چھٹکارا دلانا چاہے گا جو اس کو ہر طرح سے کچل رہا ہو، طرح طرح سے ذلیل کر رہا ہو تو یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ وہ غیرت قومی سے سرشار ہوگا، اور قومی نفسیات اس کے اندر ابھر آئے گی، وہ سیاست اور "مطالبات" اور "حقوق" کی زبان میں بات کرے گا اور جیسا کہ سب جانتے ہیں "حقوق و مطالبات" کی زبان خاص ہوتی ہے، اور طرز تعبیر بھی مختلف ہوتا ہے۔

مگر جس پہلو کی طرف آپ کی نظر ملتفت کرانا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام، دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کی طرح ایک نبی مرسل تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا مخاطب بنانے اور بات کرنے کا شرف عطا فرمایا تھا، ان کی اولیں حیثیت یہ تھی کہ وہ دین حق اور ایمان و عقیدہ کے داعی تھے، لہٰذا ان آیات پر آپ غور کریں اور دیکھیں کہ کس طرح حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کی مدد و تائید سے اپنی داعیانہ شخصیت کو آگے رکھا، اور احتجاج و مطالبات اور قومی نخوت اور جوش کو بیچ میں آنے نہیں دیا، موقع ایسا تھا کہ اس میں انسان سب کچھ بھول جایا کرتا ہے، اس کے اندر "حمیت جاہلیہ" (غیر دینی قومی حمایت و فخر) جوش مارنے لگتی ہے، اور جذبۂ وطنیت و قومیت اپنا کام کرنے لگتا ہے، اور قوم پرست سیاسی کارکنوں کی زبان میں وہ بات کرنے لگتا ہے، لیکن دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کس طرح رہنمائی فرمائی کہ ان کے جذبۂ قومی کی رگ ایمانی قوت پر غالب نہ آسکی، اور فرعون کو جو دعوت دی وہ اللہ پر ایمان کی دعوت تھی، اس کو دینی حقائق بتائے اور اللہ تعالیٰ کا جو معاملہ اپنی مخلوق کے ساتھ ہے اور جو قوموں اور نسلوں کے ساتھ رہا ہے، اس کو یاد دلایا، اب میں ان آیات کی تلاوت کرتا ہوں۔

www.abulhasanalinadwi.org

فرعون کے وزراء ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتے تھے

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ	قوم فرعون میں جو سردار تھے کہنے لگے کہ کیا
اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا	آپ موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑ دیجئے گا
فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ	کہ ملک میں خرابی کریں، اور آپ سے اور
قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ	آپ کے معبودوں سے دست کش ہو جائیں
نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ۔	وہ بولے کہ ہم ان کے لڑکوں کو تو قتل کر ڈالیں گے
(الاعراف - ۱۲۷)	اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیں گے
	اور بے شبہ ہم ان پر غالب ہیں۔

ان لوگوں نے ایک تیر سے دو شکار کرنے چاہے، ایک تو فرعون کو خود شکار کرنا چاہا (اگر اس کو شکار کہا جا سکتا ہو) اور دوسرے اس کی قوم کو، فرعون سے وہ بات کہی جو اس کو بھڑکا دے اور غیظ میں لے آئے۔

"یہ ملک میں خرابی اور بگاڑ پیدا کرنا چاہتے ہیں" یہ بات صنم پرستوں اور گوسالہ پرستوں کو بھڑکانے والی تھی، وہ ان کا یہ کہنا کہ "وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ" (یہ چاہتے ہیں کہ اہل ملک آپ سے اور آپ کے معبودوں سے دست کش ہو جائیں) ان لوگوں نے اپنی اس بات میں فرعون اور اس کی قوم دونوں کو ایک ساتھ برافروختہ کر دیا۔

پیغمبرانہ روح کا تابناک نمونہ

اس دہشتناک موقع پر جبکہ انسان نخوت اور جوش سے بھر جاتا ہے حضرت موسیٰؑ

www.abulhasanalinadwi.org

نے اپنے اس اسلوب کلام کو فراموش نہیں کیا جس کے وہ ہمیشہ سے پابند تھے، اور نہ اس پیغام کو بھولے جس کا انھیں اللہ تعالیٰ نے حامل بنایا تھا۔

تصور کیجئے اگر یہاں پر حضرت موسیٰ کے علاوہ کوئی عالم، مبلغ یا سیاسی لیڈر ہوتا تو وہ قدرتاً فرعون کو مخاطب کرتا، فرعون کی قوم سے لڑتا، لیکن حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کو مخاطب کیا، کیونکہ ان کی دعوت کے اولیں مخاطب وہی تھے، اور وہی ان کا اصل سرمایہ تھے، اور ان ہی سے یہ توقع تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ صورت حال تبدیل فرمادے گا

ایک راہ شناس مبلغ جس کو اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی مہم سر کرنے کیلئے تیار کیا تھا

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا	موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا سے مدد
بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ	مانگو اور ثابت قدم رہو زمین تو خدا کی ہے
لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ	(اور) وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا
وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۔	ہے اس کا مالک بنا دیتا ہے، اور آخر بھلا
(الاعراف۔۱۲۸)	تو ڈرنے والوں کا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں "خدا سے مدد مانگو" یہ نہیں کہتے کہ تمہاری تعداد کافی ہے، اس پر بھروسہ رکھو، اپنی عقل و ذہانت پر بھروسہ کرو، جو خدا نے تم کو دے رکھی ہے، اور اس میں شک نہیں کہ بنی اسرائیل کے افراد اپنی ذہانت اور دماغی صلاحیت میں ہر دور میں ممتاز رہے ہیں، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی ایسی بات کو نہیں چھیڑا جس سے قومی غرور کا جذبہ پروان چڑھے، اگر وہ چاہتے تو ان باتوں کا ذکر کر سکتے تھے، کیونکہ وہ خود انھیں میں سے تھے اور انھیں تمام خصوصیات کا علم تھا، لیکن حضرت موسیٰ نے

www.abulhasanalinadwi.org

تو ان کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کسی مسجد کے منبر پر کھڑے ہوئے خطبہ دے رہے ہیں، اور کہہ رہے ہیں "اِسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰہِ وَاصْبِرُوْا" اللہ سے مدد مانگو اور ثابت قدم رہو "اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ یُوْرِثُھَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ" زمین تو خدا کی ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا مالک بنا دیتا ہے "وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ" اور انجام کار کی خوبی اور بھلائی تو خدا سے ڈرنے والوں کے لئے ہے۔

یہ ہے ایک حامل رسالت، جادۂ حق پر گامزن، اور راہ شناس مبلغ و داعی کا رویہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم مہم کے لئے تیار کر رکھا تھا۔

یہ دعوت تھی اللہ کی طرف، دعوت تھی کہ اللہ پر بھروسہ کو اپنا شعار بنائیں، دعوت تھی کہ سارے معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیئے جائیں، دعوت تھی کہ پامردی اور استقلال و ہمت کے ساتھ فرعون کی ان دھمکیوں کا مقابلہ کریں، جو اس کے اس جملہ سے ظاہر تھے "سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَھُمْ وَنَسْتَحْیٖ نِسَآءَھُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَھُمْ قَاھِرُوْنَ" (یعنی ہم ان کے بیٹوں کو قتل کر ڈالیں گے اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیں گے اور بلاشبہ ہم ان پر غالب ہیں) اور فرعون کا یہ عمل کوئی ہنگامی یا وقتی نہیں تھا، بلکہ دائمی طور پر اس نے اپنا اصول بنا رکھا تھا "اِنَّا فَوْقَھُمْ قَاھِرُوْنَ" (بلاشبہ ہم ان پر غالب ہیں) یہ مستقل غرور تھا، حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا "خدا سے مدد مانگو اور ثابت قدم رہو، زمین تو اللہ کی ہے" اس جملہ نے فرعون کے دل و دماغ پر سخت ضرب لگائی ہوگی، فرعون کے دربار میں یہ کہنا آسان نہ تھا کہ زمین تو اللہ کی ہے، یعنی فرعون کی نہیں ہے، اور نہ بنی اسرائیل ہی کی ہے، اگر حضرت موسیٰ کوئی سیاسی لیڈر یا قومی رہنما ہوتے تو کہتے کہ یہ زمین ہماری ہے، ہم اس کے مالک ہیں، یہ انداز بیان جو خاص قوم پرست

www.abulhasanalinadwi.org

لیڈروں کا ہوا کرتا ہے، جیسے کہا جاتا تھا کہ یہ ملک انگریزوں کا نہیں ہندوستانیوں کا ہے، امریکہ امریکہ میں رہنے والوں کا ہے، لیکن حضرت موسیٰ نے فرعون کے روبرو کہا کہ زمین اللہ کی ہے، یہ نہیں کہا کہ یہ ہمارے آباء واجداد کی میراث ہے، اگر وہ ایسا کہتے تو حق بجانب ہوتے، کیونکہ وہ صدیوں سے اس میں آباد چلے آرہے تھے، اور اس سرزمین پر ان کا حق تھا، اور وہ لوگ وہاں کے شہری تھے، ان کے بھی وہی حقوق تھے جو قبطیوں کے تھے، یا شاہی خاندان کے افراد کے ہوسکتے تھے، مگر یہاں حضرت موسیٰ کا انداز بیان ہی کچھ اور تھا، اپنے لوگوں سے فرمایا اللہ کی مدد چاہو، اور ثابت قدم رہو، زمین صرف اللہ کی ہے جس کو چاہتا ہے اس کا مالک بنا دیتا ہے، اس کا یہ مطلب بھی واضح ہے کہ حضرت موسیٰ اپنی قوم کو باور کرا رہے ہیں کہ اگر فرعون اس ملک سے نکل بھی گیا اور تم کو تخت وحکومت مل بھی گئی تو یہ کوئی ابدی اور ہمیشہ رہنے والی چیز نہ ہوگی، یہ بات اللہ تعالیٰ کی سنت کے خلاف ہے، اور اس کے [illegible]ل کے منافی ہے، اللہ جس کو چاہتا ہے اس کو زمین کا مالک بنا دیتا ہے، او[illegible]ار کی بھلائی خدا سے ڈرنے والوں کے حصہ میں آتی ہے، یعنی یہ زمین کسی خ[illegible] اور خاندان کی ملکیت نہیں ہوسکتی، کوئی قوم ہمیشہ کے لئے اس پر قابض نہیں رہ سک[illegible] البتہ انجام کار کی خوبی خدا ترس لوگوں کے حصہ میں آتی ہے، جیسا کہ سورۂ یونس میں آیا ہے:۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِى الْاَرْضِ	پھر ہم نے ان لوگوں کے بعد تم کو
مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ۝	خلیفہ بنا دیا، تاکہ دیکھیں تم کیسے کام
(یونس۔۱۴)	کرتے ہو۔

www.abulhasanalinadwi.org

ہمت شکن اور دل توڑنے والی بات

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سب سے زیادہ اذیت جس بات سے پہونچی ہوگی، وہ میرے خیال میں بنی اسرائیل کا ان سے یہ کہنا تھا کہ :-

اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا۔ (الاعراف - ۱۲۹) تمہارے آنے سے پہلے بھی ہم کو اذیتیں پہنچتی رہیں، اور آنے کے بعد بھی۔

یہ بات حضرت موسیٰ کے لئے فرعون کی اس بات سے زیادہ دل توڑنے والی اور حوصلہ شکن تھی، جبکہ اس نے کہا تھا کہ "ہم ان کے بیٹوں کو قتل کر ڈالیں گے، اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیں گے، اور بلاشبہ ہم ان پر غالب ہیں"!

کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے مبعوث فرمایا تھا کہ بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی اور ذلت کی زندگی سے نجات دلائیں، اور اللہ کی طرف ان کی رہنمائی کریں، لیکن انھوں نے اس احسان کا بدلہ کیا دیا؟ کہا کہ تمہارے آنے سے پہلے بھی ہمیں اذیتیں پہونچتی رہیں، اور تمہارے آجانے کے بعد بھی یہی صورت حال ہے، یہی نہیں بلکہ جیسا کہ سورۂ یٰسین میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا قول نقل کیا ہے، جن کے پاس خدا کے کئی کئی پیغمبر اور ہدایت کے قاصد آئے تھے :-

قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ (یٰس - ۱۸) وہ بولے ہم تم کو نامبارک سمجھتے ہیں۔

اسی زبان اور لہجہ میں گویا بنی اسرائیل حضرت موسیٰ سے کہنا چاہتے تھے کہ تم ہمارے لئے منحوس ثابت ہوئے (کہ تمہاری وجہ سے ہمارے سیکڑوں ہزاروں بچے موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے) یہ کس درجہ جگر خراش اور دل توڑنے والی بات ہے کہ جس قوم کے لئے انسان

www.abulhasanalinadwi.org

جان دے، قربانیاں دے، عیش و آرام کی زندگی تج دے، زندگی کو خطرہ میں ڈالے، وہ لوگ اس سے احسان فراموشی، ناشکری اور ناقدری کا معاملہ کریں، اگر وہ احسان کا اعتراف نہیں کر سکتے تھے، تو کم سے کم درجہ یہ تھا کہ خاموش ہی رہتے، مگر وہ تو یہ کہہ رہے تھے کہ ہمیں مصائب آپ کے آنے سے پہلے بھی جھیلنا پڑے، اور وہی مصائب آپ کے آنے کے بعد بھی جھیلنا پڑ رہے ہیں، اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو نحس سمجھ رہے تھے، اور کہہ رہے تھے کہ آپ کا وجود ہماری مصیبتوں کا سبب ہے، جب سے آپ آئے ہیں ہم مصائب میں اس طرح گرفتار ہیں جس طرح آپ کی آمد سے پہلے مبتلائے رنج و آلام تھے، مصائب کا ایک تسلسل ہے، جو ختم نہیں ہوتا۔

داعی ہر حال میں داعی ہی رہتا ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کا کیا جواب دیا؟ یہ ایک دوسرا موقف ہے، ایک نبی برحق اور صاحب وحی داعی الی اللہ کا، انھوں نے اپنی قوم کی اس ـــــ دل آزار بات کا نوٹس نہیں لیا، اور نہ غضبناک ہوئے، گویا اس حقیر بات کو انھوں نے سنا ہی نہیں، اور جو بات اس کے جواب میں کہی اس سے پیغمبرانہ وقار اور منصب نبوت کے شایان شان حلم و بردباری کا اظہار ہوتا ہے:۔

قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ	کہا، قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے
عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ	دشمن کو ہلاک کر دے اور اس کی جگہ تمہیں
فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝	زمین میں خلیفہ بنا دے پھر دیکھے کہ تم
(الاعراف - ۱۲۹)	کیسے عمل کرتے ہو۔

www.abulhasanalinadwi.org

ایک داعی کی شان ہی نرالی ہوتی ہے، وہ ہر حال میں اور ہر جگہ داعی رہتا ہے، یہاں تک کہ آپ کہیں تو غلط نہیں ہوگا کہ وہ کھانے پینے میں بھی داعی دکھائی دیتا ہے، اپنے گھر میں اپنے افراد خاندان کے ساتھ، اپنے بال بچوں کے ساتھ زندگی گزارنے میں، رنج وغم کے موقع پر اس کے داعی ہونے کی شان اس سے جدا نہیں ہوتی، ہمیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں بھی یہی بات نظر آتی ہے کہ ہر حال میں آپؐ داعی نظر آتے تھے، یہاں حضرت موسیٰؑ کی سیرت میں بھی یہی نقشہ نظر آتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ناشکری اور ناقدری کی بات نے ان پر اثر ہی نہیں کیا، اور اس کو نظر انداز کر کے کہنے لگے "قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمنوں کو ہلاک کر دے اور اس کی جگہ تمہیں زمین کا خلیفہ (مالک) بنا دے" حضرت موسیٰ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ یہ بھی سمجھانا چاہا کہ "ہوش میں رہنا کہیں پھر تمہارا نفس تم کو دھوکہ میں نہ ڈال دے، اور دوبارہ پھر کہیں انہی غلطیوں کا ارتکاب نہ کر بیٹھو جو پہلے تم سے سرزد ہو چکی تھیں" اس لئے بات کو اس طرح مکمل فرما دیا "فَيَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ" پھر دیکھے تم کیسے عمل کرتے ہو، یعنی ایسا نہ ہو کہ تم قبطیوں کی طرح دنیا سے لطف اندوزی میں پڑ جاؤ، یا فرعون اور اس کے حالی موالی کی طرح دنیاوی عیش وآرام کو اپنا شعار بنا لو، اللہ تعالیٰ تمہیں ایک موقع دینے والا ہے کہ وہ دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو، تمہارا کیا طریق عمل رہتا ہے، اللہ تعالیٰ نے جس طرح قبطیوں کو زمین کا وارث بنایا ہے تمہیں بھی بنا سکتا ہے:۔

اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۖ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ	بلاشبہ زمین اللہ کی ہے، اپنے بندوں میں
مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔	جس کو چاہتا ہے اس کا مالک بنا دیتا
(الاعراف - ۱۲۸)	ہے، اور انجام کار کی بھلائی خدا سے

www.abulhasanalinadwi.org

ڈرنے والوں کے لئے ہے۔

اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ	اور ہم نے نصیحت (کی کتاب یعنی تورات)
الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا	کے بعد زبور میں لکھ دیا تھا کہ میرے نیکوکار
عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ۔ (الانبیاء۔۱۰۵)	بندے ملک کے وارث ہوں گے۔

یہاں جو بات واضح کرنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ داعی الی اللہ کے اعصاب پر دعوت کی روح غالب رہتی ہے، لہٰذا جو بات اس کی زبان سے نکلتی ہے، اور جو عمل بھی اس سے صادر ہوتا ہے، اس سے دعوت کی روح جھلکتی ہے۔

حضرت موسیٰؑ نے کچھ اور چاہا اور اللہ تعالیٰ نے کچھ اور کر دیا

ایک دوسری صورت اور سامنے آتی ہے، جو بہت ہی نازک اور کشمکش کی صورت ہوئی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر فرعون کی حدود مملکت سے باہر لے جانے لگے تاکہ اس سرزمین سے آزاد کرا دیں جہاں وہ ذلت اور رسوائی میں دن کاٹ رہے تھے، اور جہاں ظالم و جابر حکمراں کی حکمرانی تھی اور جہاں مذہب اور قومیت کی وجہ سے ان پر مصائب کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے حضرت موسیٰ نے فیصلہ کیا کہ ان کو سیناء کے جزیرہ نما میں لے جائیں، جو فرعون کی شہنشاہیت سے باہر تھا، یہاں عجیب بات سامنے آئی حضرت موسیٰ کی خواہش تو صرف اس قدر تھی کہ ان لوگوں کو فرعون کی حدود سلطنت سے باہر ایک جائے امن تک پہونچا دیں، بنی اسرائیل کچھ اور امید باندھے ہوئے تھے، مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ تھی کہ فرعون اور اس کے لشکر کو غرق دریا کر دے۔

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت موسیٰؑ نے رات کی تاریکی میں سفر شروع کیا، جزیرۂ عرب اور صحرائے افریقہ کے درمیان ایک ہی خشکی کا راستہ تھا، جو افریقہ اور ایشیا کو ایک دوسرے سے جوڑتا تھا، اور وہ مصر کے شمال مشرق جانب تھا، لیکن رات کی تاریکی میں حضرت موسیٰ راستہ بھول گئے، یہ بھول کوئی اتفاقی بات نہ تھی بلکہ قضاء وقدر کا فیصلہ تھا، اور اللہ تعالیٰ کی ایک طے شدہ تدبیر تھی، وہ بجائے خشکی کے راستہ کے بحری راستے کی طرف چل پڑے، اگرچہ خشکی کی طرف نکلنے والا راستہ مختصر تھا، مگر رات کی تاریکی میں وہ کہیں سے کہیں پہونچ گئے، جب صبح کی پو پھٹی تو دیکھا کہ سمندر سامنے ہے، اور پیچھے پیچھے فرعون کا لشکر ہے، لوگ چیخ اٹھے کہ اب کیا چارۂ کار ہے، ان کو حضرت موسیٰ سے بدگمانی ہونے لگی، جو پہلے ہی کچھ کم نہ تھی، کہنے لگے آپ ہم کو ایسی جگہ لے کر آئے ہیں، جہاں ہم فرعون کے چنگل میں پھنس جائیں، آگے دریا پیچھے دشمن "نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن" اب کیا کریں، حضرت موسیٰ کی یہاں بھی پیغمبرانہ اور داعیانہ شان نمایاں ہوتی ہے، سورۂ شعراء میں اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے:۔

فَلَمَّا تَرَاءَى الْجَمْعَانِ قَالَ	جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو
أَصْحَابُ مُوسَىٰ إِنَّا لَمُدْرَكُونَ ۝	موسیٰؑ کے ساتھی کہنے لگے کہ اب تو ہم پکڑ
(الشعراء - ۶۱)	لئے گئے۔

اس موقع پر کسی سیاسی لیڈر کا جواب کیا ہو سکتا تھا؟ یہی نا کہ ہم نے بہت سوچ سمجھ کر اور باریک بیں پلان بنایا ہے، اور ہم بالکل ٹھیک ٹھیک اپنی پلاننگ کے مطابق چل رہے ہیں، اور ہم کامیابی حاصل کر کے رہیں گے، ہمیں اس کا بالکل یقین ہے۔

ہرگز نہیں، میرا رب میرے ساتھ ہے وہ مجھے راستہ بتائے گا

لیکن ایک صاحبِ علم وامانت پیغمبر حضرت موسیٰؑ نے کیا جواب دیا، فرمایا:۔

www.abulhasanalinadwi.org

كَلَّآ إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ۝ ہرگز نہیں! میرا رب میرے ساتھ ہے وہ
(الشعراء - ۶۱) مجھے رستہ بتائے گا۔

یہ بات انھوں نے پورے وثوق اور اعتماد کے ساتھ فرمائی، پورے اطمینان قلبی اور انشراح صدر سے کہی، اس جملہ کا ہر لفظ بتا رہا ہے کہ ان کو اپنے مالک پر کس درجہ اعتماد تھا، اور اللہ کی قدرت وعظمت پر کس درجہ یقین تھا، اور انھیں پورا الیقین تھا کہ یہ راتوں رات کا سفر محض اللہ رب العزت کے حکم سے ہوا، وہ رب کریم جو اپنے بندے کو مایوس نہیں کرتا اس کا وعدہ کبھی خطاء نہیں کرتا، لہٰذا اس بحر بیکراں کا کیا خوف، اور لشکر جرار سے کیا ہراس۔؟

اس بات کا خوف کہ وہ اپنے ماننے والوں کو دشمن کے لئے لقمۂ تر بنا دے گا، اللہ تعالیٰ کی رحمت ورأفت سے بہت بعید ہے، یہ تو کسی نیک خو حکمراں سے کسی شفیق باپ سے، کسی صاحبِ مروت اور شریف انسان سے بھی توقع نہیں کی جاسکتی، چنانچہ اگرچہ صورت حال بہت ہی بھیانک اور ظاہری آنکھوں سے خطرات میں لوگ گھر گئے تھے، پھر بھی ان کو ذرہ برابر شک وشبہ نہیں تھا، آخر وہ نبی برحق تھے، اللہ تعالیٰ کے ایماء ہی سے وہ بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات چل پڑے تھے، اور جب اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہر شئی ہے کائنات سب اس کی ملکیت ہے، لہٰذا کوئی ایسی بات سامنے نہیں آسکتی جس سے خوف وہراس کو دل میں جگہ دی جائے، حضرت موسیٰ نے پورے یقین اور جوش سے فرمایا، ہرگز نہیں! اللہ میرے ساتھ ہے، وہ میری رہنمائی فرمائے گا۔"

اس واقعہ کو جسے قرآن کریم نے بیان کیا ہے، ایک دوسرے واقعہ سے ملا کر دیکھئے، اس کا بھی قرآن کریم ہی نے ذکر کیا ہے، اور وہ واقعہ حضرت خاتم الرسل محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے:۔

www.abulhasanalinadwi.org

ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ	(اس وقت) دو میں سے دوسرے
إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ	جب وہ دونوں (غار ثور) میں تھے،
اللَّهَ مَعَنَا ۔	اس وقت اپنے ساتھی کو کہہ رہے تھے
(التوبہ ۔ ۴۰)	غم نہ کرو، خدا ہمارے ساتھ ہے۔

اس کی تفصیل صحیح بخاری میں پڑھئے، جس کو تمام سیرت کی کتابوں میں نقل کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفیقِ سفر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، غار میں تھے کہ حضرت ابوبکر کو مشرکین قریش کی آہٹ محسوس ہوئی اور کہنے لگے، یا رسول اللہ! اگر ان میں سے کوئی اپنے پیر کی طرف دیکھ لے تو ہمیں دیکھ سکتا ہے، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "تم ان دو کے بارے میں کیا سوچتے ہو جن کا تیسرا خود اللہ تعالیٰ ہے"؟ "مَا ظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ اللَّهُ ثَالِثُهُمَا"؟

ان دو عظیم پیغمبروں کے واقعات میں کس درجہ مماثلت ہے، اس پر غور کیجئے، ان دونوں پیغمبروں کے درمیان قدر مشترک یہ ہے کہ دونوں منصب نبوت پر فائز تھے اور ان کے اندر وہ پختہ یقین تھا، جو آج بھی کروڑوں انسانوں کے ایمان و یقین کا باعث ہے، ان دونوں پیغمبران برحق کا یقین، اللہ کی قدرت پر اعتماد، اس کی رحمت و رافت پر بھروسہ اس درجہ کا تھا، جس کو بڑے سے بڑا فلسفی، حکیم وقت، ذہانت و ذکاوت کے پتلے چھو نہیں سکتے تھے، بلاشبہ یہ اللہ کی دین ہے جسے وہ چاہتا ہے، مرحمت فرماتا ہے۔

پھر کیا ہوا!

پھر کیا ہوا، اس کا جواب ان آیات کریمہ میں موجود ہے:۔

www.abulhasanalinadwi.org

فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ
بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۭ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ
فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۝ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ
الْاٰخَرِيْنَ ۝ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ
اَجْمَعِيْنَ ۝ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝ اِنَّ
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

(الشعراء ٦٣ تا ٦٨)

اس وقت ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی
کہ اپنی لاٹھی دریا پر مارو، تو دریا پھٹ گیا
اور ہر ایک ٹکڑا یوں ہو گیا کہ گویا بڑا پہاڑ
ہے، اور دوسروں کو ہم نے قریب کر دیا
موسیٰ اور ان کے ساتھ والوں کو تو بچا لیا،
پھر دوسروں کو ڈبو دیا، لیکن یہ اکثر ایمان
لانے والے نہیں ہیں، اور تمہارا پروردگار
تو غالب اور مہربان ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

خطبہ (۶)

ایمان پوشیدہ رکھنے والے مومن کی دعوت غیر نبی کی دعوت کا نمونہ ہے

ایک مومن جو اپنا ایمان پوشیدہ رکھے ہوئے تھا

سلسلۂ کلام کا تقاضہ تھا کہ حضرت ابراہیم، حضرت یوسف اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کے طرزہائے دعوت کا بیان، حضرت نبی کریم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے بیان سے مربوط ہوتا، اور یہ بات اپنی جگہ بہت ہی موزوں و مناسب ہوتی، لیکن میں چاہتا ہوں کہ سرورِ انبیاء و سیدِ دُعاۃ صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ عطر آگیں ہمارے سلسلۂ خطبات کا "مسک الختام" ہو، اور اپنے ہر مطالعہ کی آخری کڑی اسی ذات گرامی کی دعوت کو بنائیں جو ہمارے علم و مطالعہ کی منزل مقصود اور قرآنی علم دعوت کا نقطۂ کمال ہے۔

میں نے آج کے خطبہ کے لئے ایک غیر نبی کی دعوت کا نمونہ منتخب کیا ہے، میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ اگر قرآن کریم نے صرف انبیاء کرام کی دعوتوں کے بیان پر اکتفا کیا ہوتا تو یہ کہنے کی گنجائش تھی کہ انبیاء کرام کی بات ہی اور ہے، اللہ تعالےٰ کے منتخب پیغمبر، وحی الٰہی کے مخاطب، منصب نبوت کے امین، جن کے دل و دماغ کو، یہاں تک کہ ان کی زبانوں کو دعوتِ الی اللہ کے لئے خاص تربیت دی جا چکی تھی، کہاں وہ، اور کہاں ہم، اپنے ماحول میں ہم کہاں، ان کی نقل کر سکتے ہیں اور نئے معاشرہ میں کب ان کے طرز دعوت کو اپنا سکتے ہیں،

www.abulhasanalinadwi.org

کیونکہ قرآن کریم نے جو مثالیں دی ہیں، وہ سب انبیاء کرام سے متعلق ہیں۔

لہذا مناسب معلوم ہوا کہ ایک خطبہ میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ ایسے شخص کی دعوت کا نمونہ پیش کیا جائے جو منصب پیغمبری پر فائز نہیں تھا، اللہ نے اس کے دل کو اپنے دین کی سمجھ کے لئے کھول دیا تھا، اور اسلام کی دولت سے اس کو نوازا تھا، وہ اپنے وقت کے نبی برحق یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ ہدایت و دین حق سے مشرف ہوا تھا، وہ قوم فرعون کا ایک فرد تھا جس کا ذکر قرآن کریم نے اس طرح کیا ہے:۔

سب سے پہلے وہ آیتیں سنئے جن میں اس شخص اور اس کی دعوت کا ذکر ہے:۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى	اور فرعون بولا، مجھے چھوڑ دو کہ موسیٰ کو
وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ	قتل کردوں اور وہ اپنے پروردگار کو
دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ	بلالے، مجھے ڈر ہے کہ وہ (کہیں) تمہارے
الْفَسَادَ ۝ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ	دین کو (نہ) بدل دے یا ملک میں فساد
بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ	(نہ) پیدا کردے، موسیٰ نے کہا کہ میں ہر
بِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝ وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ	متکبر سے جو حساب کے دن (یعنی قیامت)
مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ	پر ایمان نہیں لاتا اپنے اور تمہارے
اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ	پروردگار کی پناہ لے چکا ہوں اور فرعون
اللّٰهُ ۡ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ	کے لوگوں میں سے ایک مومن شخص جو
رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ	اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتا تھا، کہنے لگا
كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ	کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو

www.abulhasanalinadwi.org

بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُکُمْ اِنَّ اللّٰهَ
لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ کَذَّابٌ ۝
یٰقَوْمِ لَکُمُ الْمُلْکُ الْیَوْمَ ظٰهِرِیْنَ
فِی الْاَرْضِ فَمَنْ یَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ
اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ قَالَ فِرْعَوْنُ
مَاۤ اُرِیْکُمْ اِلَّا مَاۤ اَرٰی وَمَاۤ اَهْدِیْکُمْ
اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ ۝ وَقَالَ الَّذِیْۤ
اٰمَنَ یٰقَوْمِ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْکُمْ
مِّثْلَ یَوْمِ الْاَحْزَابِ ۝ مِثْلَ دَاْبِ
قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِیْنَ
مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ یُرِیْدُ ظُلْمًا
لِّلْعِبَادِ ۝ وَیٰقَوْمِ اِنِّیْۤ اَخَافُ
عَلَیْکُمْ یَوْمَ التَّنَادِ ۝ یَوْمَ تُوَلُّوْنَ
مُدْبِرِیْنَ ۚ مَا لَکُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ
وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝
وَلَقَدْ جَآءَکُمْ یُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ
بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِیْ شَکٍّ
مِّمَّا جَآءَکُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَا هَلَکَ
قُلْتُمْ لَنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ

کہتا ہے، میرا پروردگار خدا ہے اور
وہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی
طرف سے نشانیاں لے کر آیا ہے اور اگر
وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا ضرر
اسی کو ہوگا، اور اگر سچا ہوگا، تو کوئی سا
عذاب جس کا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے
تم پر واقع ہو کر رہے گا، بیشک خدا اس
شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو بے لحاظ
جھوٹا ہو، اے میری قوم! آج تمہاری
بادشاہت ہے اور تم ہی ملک میں
غالب ہو (لیکن) اگر ہم پر خدا کا عذاب
آگیا تو اس کے دور کرنے کے لئے
ہماری مدد کون کرے گا؟ فرعون نے
کہا، میں تمہیں وہی بات سمجھاتا ہوں
جو مجھے سوجھی ہے اور وہی راہ بتاتا
ہوں جس میں بھلائی ہے تو جو مومن
تھا کہنے لگا کہ اے میری قوم بے مجھے
تمہاری نسبت خوف ہے کہ (مبادا)
تم پر اور امتوں کی طرح کے دن کا عذاب

www.abulhasanalinadwi.org

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ
مُّرْتَابُ ۝ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ
اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ؕ
كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ
عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝
(المومن - ٢٦ تا ٣٥)

آجائے (یعنی) نوحؑ کی قوم اور عاد اور
ثمود اور جو لوگ ان کے پیچھے ہوئے ان کے
حال کی طرح (تمہارا حال نہ ہو جائے) اور
خدا تو بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا، اور
اے میری قوم! مجھے تمہاری نسبت پکار
کے دن (یعنی قیامت) کا خوف ہے،
جس دن تم پیٹھ پھیر کر (قیامت کے دن سے)
بھاگو گے (اس دن) تم کو کوئی (عذاب)
خدا سے بچانے والا نہ ہوگا، اور جس شخص کو
خدا گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت دینے
والا نہیں، اور پہلے یوسف علیہ السلام بھی
تمہارے پاس نشانیاں لے کر آئے تھے
تو وہ جو لاتے تھے اس سے تم ہمیشہ شک ہی
میں رہے یہاں تک کہ جب وہ فوت ہو گئے
تو تم کہنے لگے کہ خدا اس کے بعد کوئی
پیغمبر نہیں بھیجے گا، اسی طرح خدا اس
شخص کو گمراہ کر دیتا ہے جو حد سے
نکل جانے والا اور شک کرنے والا ہو،
جو لوگ بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی

٣٦٥
١٣٧٤٨

www.abulhasanalinadwi.org

دلیل آئی ہو، خدا کی آیتوں میں جھگڑتے
ہیں، خدا کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک
یہ جھگڑا سخت ناپسند ہے، اسی طرح
خدا ہر متکبر، سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے

ایک مکالمہ جو حکمت و بلاغت کا آئینہ اور موقع شناسی کا اعلیٰ نمونہ ہے

یہ وہ مکالمہ ہے جو فرعون اور اس شخص کے درمیان ہوا جو صاحبِ ایمان تھا مگر اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھے ہوئے تھا، یہ مکالمہ بلاشبہ حکمت و بلاغت کا آئینہ ہے اور مردم شناسیٔ انسانی نفسیات سے گہری واقفیت، اور اس پر عبور کا اعلیٰ نمونہ ہے، یہ بلیغ مثال ایک ایسے مکالمہ کی ہے جو بادشاہ وقت، اور اس کے حاشیہ نشینوں سے ایک ایسے شخص نے کیا جو ہدایت یافتہ تھا، اور اللہ پر ایمان رکھتا تھا، میں جب بھی اس مکالمہ کو پڑھتا ہوں تو اس کا پُرشکوہ انداز بیان دل پر اثر انداز ہوتا ہے، درحقیقت اس مکالمہ کی ادبی حیثیت اور بلاغت اور اس کا حکیمانہ اسلوب، ادبی ذوق کے لئے بڑا سرمایہ ہے، اس کے اندر انسانی نفسیات کا گہرا علم جھلکتا ہے، ذہنی کیفیات کا اتار چڑھاؤ نظر آتا ہے، اور مزید یہ کہ جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے "وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا" یعنی گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو، اس کی بھی بڑی حسین رعایت ملتی ہے، یہ ایک ایسے شخص کی حکایت ہے، جس کے متعلق ہم کچھ نہیں جانتے کہ اس کی علمی سطح کیا تھی، وہ کہاں پلا اور بڑھا، کس طرح اس کی علمی و ذہنی تربیت ہوئی اور اس نے کیسے حکمت و بلاغت میں اس درجہ کا کمال حاصل کیا، ہاں یہ معلوم ہے کہ ایمان ایک ایسی دولت ہے جس سے عجائب و

www.abulhasanalinadwi.org

غرائب کا ظہور ہوتا ہے، ایمان ایک گونگے کو اندازِ تکلم کا ماہر بنا دیتا ہے، اس کے طفیل بہرا دور کی بات سننے لگتا ہے، ایک مفلوج اور اپاہج بھی اپنے اندر نہ صرف چلنے بلکہ دوڑنے کی ہمت پاتا ہے، اور بے تیغ بھی سپاہی بن کر لڑنے والا بن جاتا ہے۔

حکمرانوں کی مورچہ بندی

فرعون نے کہا "مجھے موسیٰ کو قتل کر لینے دو، وہ چاہے اپنے رب کو بلا لے مجھے ڈر یہ ہے کہ کہیں وہ تمہارے دین کو بدل نہ دے اور ملک میں فتنہ فساد نہ پیدا کر دے" حکمرانوں کی ہمیشہ سے یہی منطق رہی ہے، وہ اپنے خلاف بغاوت کرنے والوں کو یہی کہہ کر دبایا کرتے ہیں، دراصل یہ ان کی سیاسی مورچہ بندی ہوتی ہے کہ لوگوں میں ان کے خلاف نفرت پیدا کریں اور نفس انسانی کے اندر چھپی ہوئی نخوت و غیرت کو ابھار دیں، اب فرعون کی اسی بات کو لیجئے، اس نے کس طرح چالاکی کے ساتھ ایسی بات کہی جس کے دو رُخ ہیں، ایک رُخ تو عقیدہ سے تعلق رکھتا ہے، اور مذہب و عقیدہ ہر زمانہ میں اور ہر نسل میں انسانوں کو عزیز رہا ہے، خواہ وہ مذہب و عقیدہ لغو ہو یا حق و صداقت پر مبنی ہو، خواہ اس کی بنیاد وحی و رسالت پر ہو یا عقل و نظر کی کوتاہ بینی اور جہالت پر، لیکن عقیدہ بہرحال عقیدہ ہی ہے، ہر ایک کو عزیز اور اس کے نزدیک جان و مال سے زیادہ گراں قدر، لوگ اس کے لئے اپنا تن من دھن سب قربان کر دیتے ہیں، لہٰذا فرعون نے "اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَکُمْ" (مجھے ڈر ہے کہیں یہ شخص تمہارے دین کو بدل نہ دے) کہہ کر اپنی قوم کی مذہبی نخوت کو ابھارا۔

پھر کہا "اَوْ اَنْ یُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ" (یا ملک میں (نقض امن) فساد نہ پیدا

www.abulhasanalinadwi.org

کردے) اس سے ان لوگوں کے کان کھڑے کئے جو محب وطن قسم کے لوگ تھے ممکن ہے شاہی دربار میں ایسے لوگ بھی رہے ہوں گے جن کو دین و مذہب سے کم دلچسپی رہی ہوگی مگر وہ وطن و ملک کی سالمیت اور ملک کے امن کے بارے میں زیادہ حساس رہے ہوں گے ان کو ابھارنے اور حضرت موسیٰؑ کے خلاف بھڑکانے کے لئے فرعون کا یہ جملہ کہ کہیں ملک میں نقض امن اور فساد نہ پیدا کردے کافی تھا، حضرت موسیٰؑ نے فرمایا "میں ہر متکبر سے جو یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا اپنے اور تمہارے رب کی پناہ چاہتا ہوں" حضرت موسیٰؑ نے فرعون کی متکبرانہ بات سنی جو ہٹ دھرمی، غرور اور لہجہ کی کرختگی میں آپ اپنی مثال تھی، اور وہ فرعون کو جانتے تھے، جو ایک موقع پر کہہ چکا تھا:۔

يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ	(اور فرعون نے پکار کر کہا) اے میری
الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۚ اَفَلَا	قوم! کیا مصر کی حکومت میرے ہاتھ
تُبْصِرُوْنَ ۝	میں نہیں ہے اور یہ نہریں جو میرے محلوں
(الزخرف ۔ ۵۱)	کے نیچے بہہ رہی ہیں (میری نہیں ہیں؟)

اس لئے جب فرعون سے اس کی متکبرانہ بات، دوبارہ سنی تو انھوں نے صرف اس قدر فرمایا:

اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ	میں ہر متکبر سے جو یوم آخرت پر ایمان
لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝	نہیں رکھتا، اپنے اور تمہارے رب کی
(المؤمن ۔ ۲۷)	پناہ چاہتا ہوں۔

ایک نرم اور دل پر اثر کرنے والی بات

اس موقع پر ایک شریف انسان اٹھتا ہے، جو فرعون ہی کی جماعت میں سے تھا،

www.abulhasanalinadwi.org

لیکن صاحبِ ایمان تھا، اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھے ہوئے تھا، اس کے اندر انسانیت کا شعور بیدار تھا، انسان کی عزتِ نفس اور مقصد کی بلندی کا اس کو احساس تھا، اس نے کہا:۔

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ۔	کیا تم صرف اس لئے ایک انسان کو قتل کردوگے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے؟!

یہ ایک رحم کی اپیل تھی لیکن اس کے ساتھ غور کرنے اور سمجھ کی بات کرنے کی دعوت بھی دی کہ آخر اس آدمی کا کیا قصور ہے؟ "کیا تم صرف اس لئے ایک انسان کو قتل کردوگے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے"؟؟ اس کا صرف یہی جرم ہے کہ وہ اللہ کو اپنا رب کہتا ہے؟ اگر کوئی کہے کہ فرعون میرا رب ہے تو اس کو قتل نہ کروگے اور فرعون نے تو اپنے آپ کو رب اعلیٰ کہا ہی تھا (اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى) تو کیا وہ قتل کا مستحق نہیں ہے؟ لوگو! کیا تمہارے اندر انصاف و عدل کا کوئی ذرہ نہیں ہے؟ کیا تم بالکل نہیں سمجھتے؟ ایک شخص اگر اپنا رب اس ذات کو مانتا ہے، جو اس کا خالق ہے، جو اس کو عدم سے وجود میں لایا، جس نے اس کو نیست سے ہست کیا، اس کی پرورش کی، اس کو رزق دیتا رہا، اگر اس کو وہ اپنا رب کہتا ہے تو تم اس کو قتل کرنا چاہتے ہو اور وہ شخص جو ہمیشہ کا محتاج، مخلوق، اپنی ایک ایک سانس کے لئے رب حقیقی کا محتاج، اپنی پیدائش اور پیدائش سے پہلے جب وہ اپنے باپ کے صلب میں تھا، اس وقت سے لے کر اپنی نشوونما میں آخر تک ہر بات میں محتاج، وہ اپنے لئے خدائی کا دعویٰ کرے اس کو کچھ نہ کہا جائے، آخر یہ کیا ظلم ہے کیا اندھیر ہے؟ اس شریف انسان نے یہ بات کہہ کر

www.abulhasanalinadwi.org

فرعون اور اس کے حاشیہ نشینوں اور مشیروں کے اندر سے عدل وانصاف کے جذبہ کو ابھارنا چاہا اور دیکھنا چاہا کہ آیا ان کے اندر شرافت اور انصاف کا کوئی شمہ باقی ہے، یا نہیں، اور ان کے اندر خیر وشر کے درمیان تمیز کی قوت کو ابھارنا چاہا کہ وہ کھرے کھوٹے، اعلیٰ وادنیٰ کے درمیان تمیز کرسکیں، مالک اور غاصب کے فرق کو سمجھنے کی اگر ان میں کوئی صلاحیت ہے تو اس کو کام میں لائیں، یہ بات ان سب لوگوں کو چیلنج کر رہی تھی، جو اس وقت فرعون کے دربار میں موجود تھے، اور جنہوں نے اس مومن باللہ کی بات سنی۔

مقصد براری کے لئے عیاں حقیقت سے استدلال

اس مردمومن نے اپنی بات کو دلیل کے ذریعہ تقویت دی "وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ" (اور یہ شخص یعنی موسیٰ تمہارے رب کی طرف سے روشن دلائل لے کر آیا ہے۔) اس جملہ سے اشارہ اس طرف تھا کہ حضرت موسیٰؑ کو اللہ نے کئی معجزے عطا فرمائے تھے:۔

فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ	اپنا ڈنڈا ڈال دیا تو اچانک وہ ایک
مُّبِينٌ ۝ وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ	کھلا ہوا اژدہا تھا، اور اپنا ہاتھ نکالا
بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ۔ (الاعراف ۱۰۷، ۱۰۸)	تو وہ دیکھنے والوں کے سامنے چمکدار تھا۔

یہ وہ کھلے ہوئے مشاہدات تھے جن سے کوئی شخص اختلاف نہیں کرسکتا تھا، کیونکہ انسان ان باتوں میں مباحثہ ومناظرہ کرسکتا ہے جو عقلی اور فکری ہوں، لیکن جو بات کہ اس کے مشاہدہ میں ہو اور جس کو وہ اپنی نظروں سے دیکھ رہا ہو، اس کے ہونے یا نہ ہونے میں مناظرہ کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے؟ اس مردمومن نے انسانی نفسیات کے عین مطابق

www.abulhasanalinadwi.org

ایک ایسی جچی تلی بات کہی کہ اس کو ہر انسان سمجھ سکتا تھا، اور حق و انصاف کی بات کہہ سکتا تھا، اس نے ان کو اس زبان میں مخاطب کیا جسے وہ خوب سمجھتے تھے، بالکل منطقی اور اصولی بات:۔

اِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ وَاِنْ	اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا ضرر
يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ	اسی کو ہوگا اور اگر وہ سچا ہے تو کوئی سا
يَعِدُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ	عذاب جس کا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے تم پر
هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ۝	واقع ہو کر رہے گا، بیشک خدا اس کو ہدایت
	نہیں دیتا جو بے لحاظ اور جھوٹا ہو۔

گویا کہ اس نے کہا لوگو! اپنے آپ کو ایسی مشکل میں نہ ڈالو جس سے نکل نہ سکو، یہ آدمی جو اپنے آپ کو نبی برحق کہہ رہا ہے، اور وہ آسمان سے اس کام پر مامور ہے اگر تم اس کو اپنی گرفت میں لے کر عبرت کا سامان بناتے ہو تو اس میں سنگین خطرہ ہے، کیونکہ اگر یہ سچا نکلا تو جس قدر عذاب خداوندی کی یہ دھمکی دے رہا ہے، اس میں کچھ تو تم پر عذاب آئے ہی گا، اور اگر وہ جھوٹا ہے ـــــ پناہ بخدا ـــــ تو اس کا جھوٹ اس کو ہلاک کرنے کے لئے کافی ہے، تم اس کے ذمہ دار کسی حال میں نہ ہوگے۔

غیر متغیر سنت اللہ سے استدلال

تیسری چیز جس سے اس مرد مومن نے مدد لی وہ یہ کہ اللہ کی سنت جو کبھی تبدیل نہیں ہوتی اور آج تک اس میں تغیر نہیں دیکھا گیا، اس کی طرف توجہ مبذول کرائی:۔

يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ — اے میری قوم! آج تمہاری بادشاہت ہے

www.abulhasanalinadwi.org

فِی الْاَرْضِ ۔ اور تم ہی ملک پر غالب ہو۔

اس طرح اس نے فرعون کے وزیروں کو سمجھایا کہ بھائیو! تم اس وسیع شاہنشاہی اور اس چند روزہ عزت سے دھوکہ میں نہ پڑو، بلاشبہ آج تم جس سرزمین پر حکمراں ہو وہ ایک بڑی مملکت ہے، دور دور تک پھیلی ہوئی ہے، تمہارے پاس زر و جواہر کے ڈھیر ہیں، ہر قسم کے وسائل اور سامان عشرت موجود ہیں، تمہاری ہر طرح سے بادشاہت ہے اور تم ملک پر قابض ہو، بلاشبہ اقتدار اعلیٰ تمہارے پاس ہے اور تم ہی حکومت کی کنجیوں اور خزانوں کے مالک ہو، تمہارے پاس دفاع کی بھی طاقت ہے اور حملہ کرنے کی بھی قوت ہے لیکن اگر اللہ کا عذاب آگیا تو کون ہمیں اس سے بچا سکے گا اس داعی مومن نے دراصل ان لوگوں کی نظر سنت الٰہی کی طرف مبذول کرائی جو کبھی بدلا نہیں کرتی۔

فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِذْ جَآءَنَا۔ لیکن ہم پر اگر عذاب آگیا تو کون ہماری مدد کرے گا (اس کو دور کرنے کے لئے)

تمہارا خیال ہے کہ تم اس وقت سب سے بلند ہو کوئی شئی تم سے اوپر نہیں ہے، کوئی ذات تمہارے اوپر حکمراں نہیں ہے، تم ہر چیز کے مرجع ہو، قوت میں، حکمرانی میں، حکم دینے، اور روکنے میں تمہارا ہاتھ کوئی روک نہیں سکتا، لیکن تم بھول گئے ہو کہ ایک قوت اور ہے، جس پر امر واقعہ کے لحاظ سے تو تمہارا ایمان ہے، مگر اس کی چند صفات میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہو، اس موقعہ پر فرعون نے کہا:۔

مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۔ میں تمہیں وہی بات سمجھاتا ہوں جو مجھے سوجھی ہے اور وہی راہ بتاتا ہوں جس میں بھلائی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اس فرعونی قول میں کوئی دلیل نہیں ہے "جو مجھے سوجھی ہے وہ تمھیں سجھاتا ہوں" یہ تو اعتراف شکست ہے، فرعون کو ضرورت تھی کہ آسمانی صحیفوں کی کوئی دلیل پیش کرتا، کوئی منطقی دلیل لاتا، مگر وہ ایسا نہ کرسکا، اور اپنے عجز کا گویا اعتراف کرنے لگا، کہ "مجھے جو سوجھی ہے وہی بات سجھاتا ہوں" یہ کوئی دلیل نہیں ہے، یہ تو ہر کُند ذہن اور گمراہ بلکہ ہر جاہل وعامی کہہ سکتا ہے، اور اس کا یہ کہنا "وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ" (میں وہی راستہ بتاتا ہوں جس میں بھلائی ہے) صرف زبانی دعویٰ ہے، اس کا کوئی ثبوت وہ نہیں پیش کرسکا۔

ماضی میں فنا ہونے والی قوموں اور تاریخ سے عبرت دلانا

اس مردِ مومن نے فرعون کی بات کاٹتے ہوئے مزید کہا:۔

اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ	مجھے تمہاری نسبت خوف ہے کہ (مبادا)
مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ	تم پر بھی اور امتوں کی طرح کا عذاب نہ آجائے
وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ	(یعنی) نوحؑ کی قوم، عاد وثمود اور جو لوگ
يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ	ان کے بعد ہوئے ان کے حال کی طرح
	تمہارا حال نہ ہوجائے اور خدا تو بندوں
	پر ظلم کرنا نہیں چاہتا۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ فرعون اور اس کے حاشیہ نشین وزرا وغیرہ ان قوموں کے انجام سے واقف تھے، اور انھیں کسی قدر تاریخ امم کا علم تھا جو عاد وثمود کے بعد دنیا میں آئیں اور اپنی نافرمانیوں کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

آخرت کے عذاب سے آگاہی

اس کے بعد اس مومن نے کہا:۔

يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ	اے میری قوم! مجھے تمہاری نسبت
التَّنَادِ۔ (المؤمن۔۳۲)	پکار کے دن (یعنی قیامت) کا خوف ہے

مطلب یہ ہے کہ تم لوگوں کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اگر کوئی ملک یا کوئی بادشاہت ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی چیز ہوتی تو آج عاد و ثمود کی سلطنت بھی قائم رہتی، ان کو بھی زوال نہ آتا، اور جب ان کی حکومتیں فنا ہوگئیں تو پھر تمہاری سلطنت کی کس نے ضمانت لی ہے کہ ہمیشہ قائم رہے گی، جب ان کے ملکوں اور ان کی بادشاہتوں کی بساط الٹ دی گئی، تو پھر تمہاری کیا خصوصیت ہے جس کی بنا پر تم کو ہمیشہ باقی رکھا جائے گا، اگر تم میں اور ان میں اخلاقی قدروں کا فرق ہوتا، تم ہدایت یافتہ ہوتے تو شاید کہ گمان ہوتا کہ تم زیادہ عرصہ چل جاؤ، مگر یہ بات بھی تمہارے اندر نہیں ہے، تمہارا طریقۂ عمل، اور طرزِ حکومت تو وہی ہے جو ان فنا ہونے والی قوموں اور ان کی بادشاہتوں کا تھا، لہٰذا جیسے وہ فنا ہوگئے، ناپید ہوگئے، تمہارا انجام بھی یہی ہوگا، آخر تمہارے اور ان کے درمیان خطِ فاصل کیا ہے؟ اس کے بعد اس مردِ مومن نے کہا "اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ" (یعنی مجھے تمہارے بارے میں پکار کے دن یعنی عذاب کے دن کا خوف ہے) پکار کا دن قیامت کا دن ہوگا، جس روز ایک دوسرے کو پکاریں گے، ایک دوسرے کو پکارنے، شور و شغب، چیخ و پکار، کی صورتِ حال فرعون اور فرعون کے حامی موالی کے لئے نئی نہیں تھی، ان کے جلوس نکلا کرتے تھے، میلے ٹھیلے ہوتے تھے، وہ جانتے تھے کہ ان مواقع پر کیا ہوتا ہے، اس لئے قیامت کے دن کا

www.abulhasanalinadwi.org

اشارہ "یَوْمَ التَّنَادِ" سے کیا، اور اس روز قیامت کی ایک اور صفت بیان کی۔

یَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ۔ جس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے۔

اس لفظ کا بوجھ فرعون کے ذہن پر سخت پڑا ہوگا، کیونکہ سب سے زیادہ ناپسندیدہ قسم اس کے نزدیک (شکست کی) تھی جس میں فوج پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑی ہو، وہ شکست و فرار اور میدان چھوڑ کر بھاگنے کا تصور نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ اس کی فوج تعداد اور ہتھیار میں سب پر فوقیت رکھتی تھی، لہذا پیٹھ پھیر کر بھاگنے کا مفہوم وہ اچھی طرح سمجھتا تھا، اور اس میں جو ذلت و رسوائی ہے، اس سے وہ آگاہ تھا، اس لئے اس مرد مومن نے کہا:۔

یَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ مَا لَکُمْ	جس دن پیٹھ پھیر کر (قیامت کے دن)
مِّنَ اللّٰہِ مِنْ عَاصِمٍ وَمَنْ یُّضْلِلِ	تم بھاگو گے (اس دن) کوئی تم کو عذاب
اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ ھَادٍ۔	خداوندی سے بچانے والا نہ ہوگا، اور جس
(المؤمن۔۳۳)	شخص کو خدا گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت
	دینے والا نہیں ہے۔

ایک حکیمانہ نکتہ

پھر اس مومن نے جس کو اللہ نے حکمت و عقل سے نوازا تھا، ایک نیا اور بہت حکیمانہ نکتہ پیدا کیا، اس نے انسانی فطرت کی ایک دیرینہ کمزوری اور انسانی سوسائٹی اور سماج کے ایک ایسے مرض کی نشاندہی کی جو قدیم زمانہ سے پایا جاتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ انسان نعمت کی قدر اس وقت نہیں کرتا جب اس کو حاصل ہوتی ہے، کہنے والے نے کہا ہے "قدر نعمت بعد زوال" جو چیز حاصل ہو چکی ہے، اس کی تحقیر کرنا اس کی فطرت میں ہے،

www.abulhasanalinadwi.org

اور جب تک وہ نعمت اس کے دسترس میں ہے، اس کی عزت نہیں کرتا، گویا وہ اس کو فراموش کر دیتا ہے کہ یہ بھی کوئی قابل شکر نعمت ہے، یہ انسانی فطرت کی ایک کمزوری بلکہ مرض ہے، ماضی میں جو تھا، اس کی تو وہ عزت کرتا ہے، اور اس کی اہمیت محسوس کرتا ہے اور اس پر حسرت کرتا ہے، اگر ہاتھ سے چھین لی جائے، لیکن جو موجود ہے، اس پر اس کا خیال نہیں جاتا کہ یہ بھی قدر کرنے کی چیز ہے، جیسے دنیا سے رخصت ہو جانے والے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایسا آدمی نہ کبھی ہوا اور نہ ہوگا، اس کے اوصاف شمار کئے جاتے ہیں، اس کی خوبیاں ایک ایک کر کے یاد کی جاتی ہیں، مگر جو زندہ ہے، اس کے بارے میں یہی کہا جاتا ہے کہ وہ بھی ایک آدمی ہے، ہم بھی ایک آدمی ہیں، اور اگر وہی آدمی مر جائے تو پھر اس کی شان میں مرثیے اور قصائد کہے جانے لگیں گے، مبالغہ کے ساتھ اس کی مدح کی جائیگی، یہ انسانی سوسائیٹی کا ایسا مرض ہے، جس نے انسانی نسلوں کو اکثر معاصر شخصیات کی طرف سے بے پروا رکھا اور لوگ اپنے وقت کے اعلیٰ سے اعلیٰ نمونوں سے بہرہ مند نہ ہو سکے، اس ناسپاس گزاری، اور ناشکری کی طرف اس مرد مومن نے اس طرح نگاہ ملتفت کرائی۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ	اور پہلے یوسف بھی تمہارے پاس نشانیاں
بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِّمَّا	لے کر آئے تھے تو وہ جو لائے تھے اس سے
جَآءَكُمْ بِهٖ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ	تم ہمیشہ شک ہی میں رہے یہاں تک کہ
لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا	وہ جب فوت ہو گئے تو تم کہنے لگے کہ خدا
(المومن - ۳۴)	اس کے بعد کوئی پیغمبر نہیں بھیجے گا۔

حضرت یوسف علیہ السلام آپ اپنی مثال تھے، اور اپنی شان میں منفرد تھے، ان کا ثانی

www.abulhasanalinadwi.org

کون ہو سکتا تھا، شریف باپ اور شریف دادا کے شریف بیٹے اور پوتے، رحم دل انصاف پرور بادشاہ، جب تک زندہ رہے لوگ ان کی عیب جوئی کرتے رہے، اور ان کی طرف طرح طرح کے قصے منسوب کرتے رہے، لہٰذا ایسا نہ ہو کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی تم وہی سلوک کرو جو ان سے پہلے کے پیغمبر یوسفؑ کے ساتھ کر چکے ہو، اور نتیجہ یہ ہو کہ جب یہ بھی دنیا سے اٹھا لئے جائیں تو کہنے لگو کہ موسیٰؑ تو خدا کا ایک بیش بہا انعام اور عطیہ تھے، ان سے پہلے کوئی بھی پیغمبر ان کے جیسا اولوالعزم نہیں گزرا اور نہ آئندہ کبھی آئے گا، لوگو! میں تمہیں اس طرز عمل سے آگاہ کرتا ہوں کہ پھر ایسی غلطی نہ کرنا۔

فرعون کی وہ خصلت جو حق و صداقت کی راہ میں رکاوٹ بن گئی

ان الفاظ پر غور کیجئے "لَنْ يَبْعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا" یعنی اللہ ان کے بعد ہرگز کوئی رسول نہیں بھیجے گا، اس کا مطلب، یہ ہے کہ وہ اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھے کہ یوسف علیہ السلام کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد اب پھر کوئی پیغمبر اس دنیا میں آئے گا:۔

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ	اسی طرح خدا اس شخص کو گمراہ کرتا ہے
الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ	جو حد سے نکل جانے والا اور شک کرنے
بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ كَبُرَ مَقْتًا	والا ہو، جو لوگ بغیر اس کے کہ ان کے
عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	پاس کوئی دلیل ہو خدا کی آیتوں میں جھگڑا
كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ	کرتے ہیں، خدا کے نزدیک اور مومنوں
مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ۔ (المومن۔۳۴-۳۵)	کے نزدیک یہ جھگڑا سخت ناپسند ہے

www.abulhasanalinadwi.org

اس طرح اللہ ہر متکبر، سرکش کے دل پر

مہر لگا دیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ساری محرومیوں اور ناکامیوں اور حق کی نعمت سے تہی دست رہ جانے کا سبب تکبر ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا اولوالعزم پیغمبر دعوت دے رہا ہے جس کی پیغمبرانہ صداقت کی گواہی وہ جادوگر دے چکے تھے جن کو موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کرنے اور ان کو شکست دینے کے لئے بلایا گیا تھا، وہ جادوگر حقانیت پر ایمان لے آتے ہیں، اور یہ ایمان ان کو فرعون کے گروہ سے نکال کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے گروہ میں لے آتا ہے، یعنی اللہ کے داعیوں کے گروہ میں ان کو لے آتا ہے، اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کے زمرہ میں لے آتا ہے، اور وہ جادوگر ایسے مومنین صادقین بن جاتے ہیں گویا ہمیشہ سے گہوارۂ نبوت میں پلے ہیں، حالانکہ ان کی حضرت موسیٰؑ سے ملاقات بہت پرانی نہیں تھی، تازہ تازہ دید و شنید تھی، لیکن حضرت موسیٰؑ نے ان کے دلوں کے پتھروں کو موم کر دیا اور ایمان کی تخم ریزی ان کے اندر کر دی، چنانچہ وہ فرعون کے گروہ سے نکل کر حق کے گروہ میں شریک ہو گئے اور برملا کہنے لگے :۔

فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ ۖ إِنَّمَا تَقْضِي	کر دو جو فیصلہ بھی چاہو بہر حال جو بھی کرو گے
هَٰذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا۔	وہ اس مادی زندگی میں کرو گے اور ہم ہر طرح
(طٰہٰ۔ ۷۲)	کی سزا برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں۔

اس مرد مومن نے کئی طرح سے فرعون کو ہوش میں لانے کی کوشش کی مگر وہ اپنی بات پر اڑا رہا، کیوں؟ اس لئے کہ فرعون کی یہ خصوصی علامت بلکہ کلیدی علامت تھی جس کو ہم تکبر کہہ رہے ہیں، یہ بات حضرت موسیٰؑ کے ذکر میں کئی بار فرمائی گئی ہے :۔

www.abulhasanalinadwi.org

وَقَالَ مُوسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ	اور حضرت موسیٰؑ نے فرمایا میں اپنے اور
وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ	تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں
الْحِسَابِ۔	ہر اس متکبر سے جو آخرت پر ایمان
(المؤمن ۔ ۲۷)	نہیں رکھتا

حضرت موسیٰؑ کی دعوت اور قوم فرعون کے مومن کے وعظ میں مشترکہ بات

پھر اس مرد مومن نے کہا:۔

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ	اسی طرح اللہ ہر اس شخص کو گمراہ کرتا ہے
مُّرْتَابُ ۝ اِلَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ	جو حد سے نکل جانے والا اور شک کرنے
اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ؕ	والا ہو، جو لوگ کہ بغیر اس کے کہ کوئی دلیل
(المؤمن ۳۴-۳۵)	آئی ہو خدا کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں۔

لہذا اس پوری داستان کی کلید اور فرعون کی شخصیت کا کلیدی عنصر تکبر ٹھہرا، یہ تکبر ہی تھا، جو فرعون کی راہ میں رکاوٹ بنا اور جس نے اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت سے فائدہ نہیں اٹھانے دیا، حضرت موسیٰؑ کو فرعون کی اس کمزوری کا پورا پورا احساس تھا، اور فرعون کی قوم سے جو مرد مومن اٹھا وہ بھی اچھی طرح اس بات سے آگاہ تھا، لہذا وہ مرکزی نقطہ یا مشترکہ بات جس میں یہ دونوں متفق تھے، وہ تکبر کے مرض کی تشخیص تھی، اور دونوں اس مرض پر اپنے تأسف کا اظہار کر رہے تھے، کیونکہ اسی بات نے فرعون اور فرعون کے غاشیہ برداروں اور وزیروں کو موسیٰ علیہ السلام کی دعوت سے فائدہ نہیں اٹھانے دیا، اور ان کے بتائے ہوئے راستہ پر ہدایت نہ پا سکا۔

www.abulhasanalinadwi.org

دکھتی رگ کو پکڑنا

اس مکالمہ میں دنیا کی تحقیر، اس کا تغیر پذیر ہونا، فانی ہونا، اور آخرت کی زندگی کا ہمیشہ ہمیشہ رہنا، پُراثر انداز میں بیان ہوا ہے:۔

وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ	اور وہ شخص جو مومن تھا اس نے کہا بھائیو!
اَهْدِكُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ ۝ یٰقَوْمِ	میرے پیچھے چلو، میں تمہیں بھلائی کا راستہ
اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ	دکھاؤں گا، بھائیو! یہ دنیا کی زندگی
وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ	(چند روزہ) فائدہ اٹھانے کی چیز ہے
(المؤمن - ۳۸-۳۹)	اور جو آخرت ہے وہی ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔

اور فرعون کے لئے جو بات سب سے بڑا حجاب ثابت ہوئی وہ اس کی وسیع شہنشاہی تھی، جس پر اس کو ناز تھا، لہٰذا ضرورت تھی کہ اسی احساس پر ضرب لگائی جائے، چنانچہ انھوں نے کہا "یہ زندگی ایک وقت تک کے لئے نفع اٹھانے کی جگہ ہے اور صرف آخرت ہی ہمیشہ رہنے کا گھر ہے" اس طرح انھوں نے دکھتی رگ پکڑ لی، اس کے بعد اللہ کے عادلانہ قانون مکافات کو بیان کیا، جس سے کوئی بچ نہیں سکتا اور کہا:۔

مَنْ عَمِلَ سَیِّئَةً فَلَا یُجْزٰٓی اِلَّا مِثْلَهَا	جو بُرے کام کرے گا اس کو بدلہ بھی ویسے
وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی	ہی ملے گا اور جو نیک کام کرے گا مرد ہو
وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ	یا عورت اور صاحب ایمان بھی ہوگا تو
الْجَنَّةَ یُرْزَقُوْنَ فِیْهَا بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝	ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے
(المؤمن - ۴۰)	وہاں ان کو بے شمار رزق ملے گا۔

www.abulhasanalinadwi.org

نفع بخش اور فریبی دھوکہ باز کے درمیان تمیز کی دعوت!

پھر اس نے یہاں ایک دوسرا پہلو اجاگر کیا کہ نفع بخش اور نقصان دہ کے درمیان اور مخلص اور فریب دہندہ کے درمیان تمیز نہ کرنے کا کیا انجام ہوتا ہے، اس بات کو ان الفاظ میں ادا کیا:۔

وَيٰقَوْمِ مَالِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَ	اور اے میری قوم! میرا کیا حال ہے کہ میں تم کو
تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ۝ تَدْعُوْنَنِيْ	نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے دوزخ
لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ	کی آگ کی طرف بلاتے ہو۔ تم مجھے اس لئے
لِيْ بِهٖ عِلْمٌ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ	بلاتے ہو کہ خدا کے ساتھ کفر کروں اور اس
الْغَفَّارِ ۝	چیز کو اس کا شریک مقرر کروں جس کا مجھے
(المومن۔ ۴۱۔ ۴۲)	کچھ علم نہیں اور میں تم کو خدائے غالب
	اور بخشنے والے کی طرف بلاتا ہوں۔

وہ کہنا چاہتے ہیں کہ لوگو! اس دعوت کے درمیان جسے میں لے کر کھڑا ہوا ہوں اور اس دعوت کے درمیان جس کو فرعون لے کر کھڑا ہے، موازنہ کر لو، میں تمہیں نجات کا راستہ بتاتا ہوں، اس رحم کرنے والے اور بخشنے والے اللہ کی طرف بلاتا ہوں جبکہ وہ تمہیں اپنی ذات کی طرف بلاتا ہے، اور اس راستہ کی طرف بلاتا ہے جس میں ہلاکت اور تباہی ہے، پھر کہتا ہے:۔

لَاجَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ	سچ تو یہ ہے کہ جس چیز کی طرف تم مجھے بلاتے
لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ	ہو اس کو دنیا اور آخرت میں بلانے (یعنی
وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ	دعا قبول کرنے) کا مقدور نہیں، اور ہم کو

www.abulhasanalinadwi.org

هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ۔ خدا کی طرف لوٹنا ہے اور حد سے نکل جانے والے دوزخی ہیں۔ (المومن۔۴۳)

یہاں اس شریف النفس مبلغ نے اس بات پر آگاہ کیا کہ فرعون کی دعوت ایک لایعنی اور زبردستی کی دعوت ہے، اور درحقیقت جاہلیت کی جتنی دعوتیں ہیں وہ لایعنی اور بے مقصد ہیں، اللہ نے اس کی کوئی دلیل نہیں اتاری اور عقل سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے، علم سے ان کو کوئی سروکار نہیں ہے، اور نہ انبیاء کی دعوت سے ان کا کوئی تعلق ہی ہے، زمین کی سطح پر وہ اس طرح ابھر آتی ہیں، جیسے بے مصرف اور مضرت رساں روئیدگی کسی لگائے ہوئے پودے کے اردگرد ظاہر ہوتی ہیں، اور اسے باغبان یا کسان اکھیڑ کر پھینک دیتا ہے، اس شریف النفس مبلغ نے اسی نقطہ کی طرف توجہ مبذول کرائی کہ بلاشبہ تم لوگ ہم کو اس چیز کی طرف بلاتے ہو جس کی نہ دنیا میں کوئی آواز ہے اور نہ آخرت میں، کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے؟ کوئی ثبوت ہے؟ ہرگز نہیں، یہ صرف تمہاری خواہشات اور تمہاری مصلحتیں ہیں۔

وہ آخری بات جو ہر مخلص مبلغ کہا کرتا ہے!

اخیر میں اس مرد مومن نے دلی سوز کے ساتھ ایک بات کہی جس میں اللہ پر اپنے تمام معاملات کو سپرد کرنا ظاہر ہوتا ہے، اس کی اس بات میں دل کا درد بھی ہے، اور ایک آخری کوشش کا اظہار بھی، یہ وہ بات ہے جو ہر مخلص مبلغ کی زبان سے نکلتی ہے، کیونکہ اس کے بعد کوئی بات نہیں کہی جا سکتی:۔

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۚ وَ اُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ

جو بات میں تم سے کہتا ہوں تم اسے آگے چل کر یاد کرو گے، اور میں اپنا کام

www.abulhasanalinadwi.org

خدا کے سپرد کرتا ہوں بے شک خدا بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِo

بندوں کو دیکھنے والا ہے۔ (المومن-۴۴)

یہ وعظ کا ایک بہترین خاتمہ ہے، اور ایک ایسی دعوت جس سے فائدہ نہیں اٹھایا گیا ہو، اس کا اتمام ہر داعی انھیں الفاظ پر کرتا ہے۔

یہ مکالمہ اپنے اسلوب کے لحاظ سے بے نظیر ہے، یہی وہ مکالمہ ہے، جس کو اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں اپنے بلیغ اور پُر حکمت اسلوب میں بیان کرکے زندہ و جاوید بنا دیا ہے، یہ اپنے ترتیب کے لحاظ سے اور اس لحاظ سے کہ ایک پہلو سے دوسرے پہلو تک ذہن منتقل ہوتا ہے، اس کی ابتدا اور انتہا دونوں بے مثال ہیں، یہ مکالمہ اس بات کا مستحق ہے کہ ہم اسے تبلیغ و دعوت کے سلسلہ میں مشعلِ راہ بنا دیں، اور اگر کوئی جابر قوت ہمارا راستہ روکے تو ہم اس مکالمہ کی روشنی میں دعوت کا حق ادا کر سکتے ہیں۔

یہ ایک مثالی نمونہ ہے جسے میں نے پیغمبرانہ دعوتوں کے ساتھ مربوط کیا ہے، کیوں کہ یہ آخری طریقہ ہے جو ایک داعی اختیار کر سکتا ہے، یہ ایک ایسے شخص کی دعوت کا نمونہ ہے جو پیغمبر نہیں تھا، اور نہ پیغمبرِ وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خاص لوگوں میں اس کا شمار تھا، قرآن کریم نے اس شخص کے بارے میں اتنا بتایا ہے "وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ" (یعنی فرعون کے آدمیوں میں سے ایک مومن شخص نے کہا، جو اپنے ایمان کو مخفی رکھے ہوئے تھا) ہم اس سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں، اور اصول دعوت کو سمجھنے میں سبق لے سکتے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

خُطبہ (۷)

خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوت و حکمت کے دو نمونے

پہلا نمونہ: کوہ صفا پر آپ کی دعوت

سید المرسلین خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کی عظیم و تابناک دعوتی زندگی کا ہر عمل اپنی جگہ پر ایک معجزہ ہے، ان میں سے ایک ایسے واقعہ سے ہم گفتگو کا آغاز کرتے ہیں، جو آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں دعوت کے سلسلہ کا اولیں کام تھا، یعنی آپ نے جب کوہ صفا پر اپنی دعوت کا آغاز فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ آپ نگاہِ تصور میں اس ماحول کو سامنے رکھیں جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دعوت الی اللہ کا کام شروع کیا تھا، اور ان مشکلات کو سامنے رکھیں جو اس دعوتِ حق کو گھیرے ہوئے تھیں، جو دعوت تھی اللہ پر ایمان لانے کی، عقیدۂ توحید کی، شرک، بت پرستی اور پیغمبرانہ ہدایت سے محروم زندگی (جاہلیت) کو ترک کرنے کی، آپ تھوڑی دیر کے لئے تصور کیجئے کہ آپ اس ماحول میں ہیں، اور وہ مناظر آپ کے سامنے ہیں، وہ ماحول آپ کے گرد و پیش ہے جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پیاماتِ خداوندی کے امین و مبلغ اور بشیر و نذیر ہونے کی حیثیت سے اپنا فرض انجام دینا شروع کیا تھا۔

www.abulhasanalinadwi.org

عالم محسوسات اور عالمِ غیب کے درمیان نبوت ایک پل ہے

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جو بات سب سے پہلے قریش سے، ان کے بعد عربوں سے، پھر اپنے اہل زمانہ سے، اور آخر میں ساری دنیا اور نسل انسانی سے کہنا چاہتے تھے، اس کا دار مدار دو باتوں پر تھا، پہلی بات تو یہ کہ یہ دنیا جس کو ہم برت رہے ہیں، اور جس کو ہم محسوس کر رہے ہیں، یہی سب کچھ نہیں ہے، اس کے علاوہ بھی ایک عالم غیب ہے جو ہمیں محسوس نہیں ہوتا کیونکہ وہ ہمارے حواس خمسہ کی گرفت سے باہر ہے، دوسری بات جس پر اس دعوت کا دار مدار تھا، وہ تھی نبوت کی یقین دہانی، کیونکہ نبوت ہی ایک ذریعہ یا "پل" ہے جس کے ذریعہ ہم عالمِ محسوسات (اس دنیا) اور عالمِ غیب (وہ عالم جو نگاہوں سے پوشیدہ اور ہمارے وسائل علم کے حدود سے بلند اور خارج ہے) کے درمیان رابطہ قائم کر سکتے ہیں، اس کے علاوہ کوئی ذریعہ ایسا نہیں ہے جس سے اس دنیا کا انسان اس دنیا سے واقف ہو سکے، تمام پل ٹوٹے ہوئے ہیں، اور ہر کشتی شکستہ ہے کیونکہ عقل اور حواس خمسہ کی رسائی سے وہ عالم بلند ہے، ظاہر ہے عقل حواس خمسہ کی پابند ہے، اور وہ عالمِ حسیات سے ماوراء ہے۔

عقل کا کام کب شروع ہوتا ہے

عقل کا دار و مدار حواس خمسہ پر ہے، حواس خمسہ کے ذریعہ جو معلومات فراہم ہوتی ہیں، عقل ان سے کلیہ اور نتیجہ اخذ کرتی ہے، عقل کہتے ہی اس کو ہیں، جو انسان کے محسوسات سے حاصل شدہ باتوں کا نتیجہ نکالتی ہے، لہٰذا حواس جب اپنا کام کرنا بند کر دیں گے،

www.abulhasanalinadwi.org

عقل بھی معطل ہو جائیگی، کیونکہ معقولات کے لئے محسوسات کا سرمایہ ضروری ہے، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے بہت سے مدعیانِ عقل ناواقف ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ عقل کوئی مستقل بالذات شئی کا نام ہے، گویا وہ اپنا کام بغیر کسی دوسری قوت کی مدد کے خود بخود کرتی ہے، موجودہ فلسفہ نے ثابت کر دیا ہے کہ بغیر حواس خمسہ کی مدد کے عقل بے معنیٰ لفظ ہے، اور اس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

پیغمبرانہ تعلیمات سے عربوں کا بُعد بڑی مشکلات کا سبب تھا

سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ تمام عرب، عام طور پر اور اہل مکہ خاص طور پر پیغمبرانہ تعلیمات سے عرصہ سے بے بہرہ چلے آرہے تھے، ایک زمانہ دراز سے ان کو پیغمبرانہ دعوت سے سابقہ نہیں پڑا تھا، اور عالمِ غیب کا تصور کئی پشتوں سے ان کے اندر مفقود تھا، وہ واسطہ یا پُل ہی موجود نہ تھا، جو اس عالمِ محسوسات کو اس عالمِ غیب سے مربوط کرتا، قرآنِ کریم نے اپنے معجزانہ ایجاز سے اس کو اس طرح بیان فرمایا ہے:۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ۔ (یٰسین۔ ۶)

"کہ تم ان لوگوں کو جن کے باپ دادا کو متنبہ نہیں کیا گیا تھا، متنبہ کر دو وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

اور ایک جگہ فرمایا:۔

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۚ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ۔ (النمل۔ ۶۶)

بلکہ آخرت کے بارے میں ان کا علم منتہی ہو چکا ہے بلکہ وہ اس سے شک میں ہیں، بلکہ اس سے اندھے ہو رہے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

سورۂ یونس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ	حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کے علم پر وہ
وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ ط	قابو نہ پا سکے اس کو نادانی سے جھٹلا دیا
(یونس۔ ۳۹)	اور ابھی اس کی حقیقت ان پر کھلی ہی نہیں۔

آنحضرت نے ایسی قوم کو مخاطب فرمایا جس کو دین کی الف بے نہیں آتی تھی

سب سے سخت اور بڑی مشکل بات یہ تھی کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو دینِ حق کی دعوت دینے کا ارادہ فرمایا جنھیں مذہب کی بنیادی معلومات نہیں تھیں، اور ان کے پاس اس کا ادنیٰ سا بھی تصور نہ تھا، گویا کہ حصولِ علم کے لئے ان کے پاس کلید ہی نہ تھی۔

مثال کے طور پر آپ کسی بڑے سے بڑے فلسفی، بے مثال ذہانت رکھنے والے یا جینیس آدمی کو لے لیجئے، اگر وہ کسی زبان کے حروف تہجی بھی نہیں جانتا تو کس طرح اس زبان میں لکھی ہوئی کتاب پڑھ سکے گا، کیمبرج یونیورسٹی کا ایک پروفیسر ہے یا امریکہ کی بڑی سے بڑی لیبارٹری کا ماہر ہے، مگر وہ عربی نہیں جانتا، آپ اس کو ایک عربی اخبار دیں اور کہیں کہ انھیں ایک دو دن محنت کر کے اس کا ایک ہی صفحہ پڑھو اور مطلب بتاؤ، اگر اس کا کوئی مددگار نہیں ہے تو وہ قطعاً عاجز رہے گا، کیونکہ اس کو ابھی عربی کی الف بے نہیں معلوم ہے۔

یہی حال محسوسات کے ذریعہ معقولات کے حصول کا ہے، معقولات کے لئے محسوسات کا درجہ حروفِ تہجی کا ہے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسے انسانوں کو خطاب فرمایا جو مذہب کے حروف تہجی بھی نہیں جانتے تھے، وہ جس علمی افلاس، اور ذہنی تنگی میں پلے اور

www.abulhasanalinadwi.org

بڑھے تھے وہ نبوت کی تعلیمات کو حلق سے نیچے اتارنے کے لئے سازگار ہی نہ تھی، لہٰذا ضروری تھا کہ پہلے ان کا ذہن نبوت کا تصور کرنے کے قابل ہوتا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تعلیمات نبوت ان تک پہونچانے کا دوسرا قدم اٹھا سکیں۔

انبیاء کرام معمولی اشیاء سے بڑے دوررس نتائج نکالتے ہیں

اس وادی (مکہ مکرمہ) کے رہنے والے عرب ایک عرصۂ دراز سے ان باتوں سے بے تعلق رہے جن کا تعلق دینی اصطلاحات اور لاہوتی مسائل سے تھا لیکن بات کی تہہ تک پہونچ جانے اور جلد سے جلد کسی حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد اس کا اعتراف کر لینے میں ان کو امتیاز حاصل تھا، وہ قوت مشاہدہ اور عقل عام (COMMON SENSE) سے بہرہ ور تھے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عربوں کی اس خصوصیت کو اس وقت سامنے رکھا جب آپؐ نے ان کو نبوت اور نبی کا اصل مقام بتانا چاہا، اور ان پر یہ ثابت فرمانا چاہا کہ آپ اس مقام پر ہیں، جہاں سے آپ کسی غیر حسّی اور غیر مرئی حقیقت سے آگاہ فرما سکتے ہیں، آئندہ پیش آنے والے خطرات کو بتا سکتے ہیں، اور ان باتوں کی اطلاع دے سکتے ہیں جنھیں انسان نہیں دیکھتا ہے، یہ طریق تفہیم ہزار دلیلوں سے زیادہ بلیغ تھا جس کا سہارا بڑے بڑے خطیب و واعظ اور علمائے لاہوت لیا کرتے تھے، یہی نہیں بلکہ وہ تمام مراحل جن سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم گزرے اور وہ تمام وسائل جو آپ نے اختیار فرمائے، اور فریضۂ نبوت کی ادائیگی میں جن سے کام لیا وہ سب فطرت اور ماحول کے مطابق تھے، اور یہی تمام انبیائے کرام کا اصول رہا ہے کہ وہ خیالی اور پر تکلف باتوں سے پرہیز کرتے ہیں، لاطائل استعارے اور

www.abulhasanalinadwi.org

باریک فلسفیانہ اصطلاحات کا سہارا نہیں لیتے، ان کے سامنے جو چیز موجود ہوتی ہے، خواہ وہ کسی درجہ حقیر ہو اس سے وہ ایسے عظیم نتائج برآمد کر لیتے ہیں، جو نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہیں۔

رسول کریم عرب تھے عربوں کے مزاج و عادات سے واقف تھے

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانے میں "ذرائع ابلاغ" کے نام کی کوئی چیز نہ تھی، جیسے ریڈیو، اخبار وغیرہ ہو، اور نہ مکبر الصوت جیسے آلات تھے، تو پھر کسی مقام پر لوگوں کو جمع کرنے کی کیا سبیل ہو سکتی تھی کہ لوگ اپنے اپنے مشاغل اور کاروبار کو چھوڑ کر کسی جگہ اکٹھا ہو جائیں، اور ان سے کچھ بات کی جا سکے، چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خود عرب تھے، عربوں کے رواج، سماجی عادات اور قومی روایات اور ان کے نفسیاتی اثرات سے واقف تھے، اس لئے آپ نے ان روایتی طور طریقوں کو دین حق کی پیام رسانی کے لئے وسیلہ بنایا، جس سے زیادہ افضل اور مقدس کام دوسرا نہیں ہو سکتا۔

عربوں کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی شخص کوئی خطرہ محسوس کرتا یا کسی دشمن کا خوف ہوتا جو اچانک حملہ کرنے کا پلان بنا رہا ہو، اور جس سے ابنائے وطن واقف نہیں ہیں، تو کسی پہاڑ کی چوٹی یا ٹیلے پر چڑھ کر بلند آواز میں پکارتا "یاصباحاہ، یاواصباحاہ" تو لوگ اس آواز کو سن کر دوڑ پڑتے اور اپنے اپنے کام چھوڑ کر دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے نکل پڑتے۔

اب رہا یہ سوال کہ وہ کیا خطرہ ہو سکتا تھا جس کے لئے وہ سب اپنے اپنے مشاغل

www.abulhasanalinadwi.org

چھوڑ کر اکٹھا ہو جایا کرتے تھے، اور کون سی بات ان کو پریشان رکھا کرتی تھی، اور جو ان کے راحت و آرام میں رخنہ ڈالنے والی اور بےچین کرنے والی ثابت ہوتی تھی حقیقت یہ ہے کہ عرب صرف ایک خطرہ سے واقف تھے جس کا انھیں ڈر لگا رہتا تھا، وہ تھا دشمن کا خطرہ جو اگر کبھی حملہ آور ہو کر کامیاب ہو جاتا تو بہتوں کو قتل کر دیتا، ان کے مال لوٹتا اور ان کے اونٹ اور مویشی بھگا لے جاتا۔

اندرونی دشمن بیرونی دشمن سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے

بیرونی دشمنوں کے خطرے خواہ جس قدر بھی نقصان رساں اور باعث مضرت ہوں انبیائے کرام کی نظروں میں زیادہ اہمیت نہیں رکھتے، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ سب سے بڑا خطرہ اور سب سے زیادہ مضرت رساں بات یہ ہے کہ آدمی اپنے خالق سے ناواقف ہو، ان کے نزدیک سب سے بڑا خطرہ تعلیمات نبویہ سے بےبہرہ زندگی (جاہلیت) ہے، اور وہ عادات ہیں، جو اس جاہلی زندگی کا خاصہ ہیں، جیسا کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بادشاہ حبشہ نجاشی کے دربار میں کہا تھا کہ "ہم لوگ (عرب) بتوں کی پوجا کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، معاصی کا ارتکاب کرتے تھے، خونی رشتوں کو کاٹتے تھے، پڑوسیوں پر ظلم کرتے تھے، اور جو قوی ہوتا وہ کمزور کو دبا تا تھا۔"

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ دشمن جو رواج و عقیدہ کی شکل میں ان کے نفوس کے اندر جاگزیں ہے زیادہ مہلک، خطرناک اور مضرت رساں ہے بہ نسبت بیرونی دشمن کے جس کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے، اور یہ خطرہ جو خود ان کے

www.abulhasanalinadwi.org

نفوس کے اندرون سے ابھرتا ہے یہ اس خطرہ سے مہلک تر ہے، جس کا انھیں اپنی جاہلی زندگی کے طویل عرصے میں تجربہ ہوا ہے، جس کا تعلق عربوں کی قبائلی سوسائٹی سے تھا، ان کے نفس کی دشمنی کسی مخالف قبیلہ کی دشمنی سے کم گہری اور سخت نہیں ہے، ان کی زندگی کا انداز خدائے برتر و قہار کے غیظ و غضب کو حرکت میں لانے والا تھا، جو کبھی بھی اس کو پسند نہیں فرماتا کہ اس کے بندے کفر میں مبتلا رہیں اور زمین میں فساد پھیلائیں۔

صحیح آواز صحیح موقع پر

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کوہِ صفا پر تشریف لے گئے، یہ پہاڑی قریش کی آبادی سے قریب تر تھی، آپ نے وہاں سے آواز دی "یا صباحاہ" ایک سچی اور صحیح آواز تھی، اور ٹھیک اور مناسب وقت پر دی گئی، اس طرح آواز دے کر لوگوں کو جمع کرنے کے مواقع ہمیشہ اہم اور سنجیدہ ہی ہوتے ہیں، (آج کل موجودہ تمدن کے برخلاف) کوئی شخص کسی فرضی اور غیر اہم بات کے لئے مجمع اکٹھا نہیں کیا کرتا تھا، اور اس مرتبہ تو اہل مکہ نے ایک ایسے فرد عزیز کی آواز سنی تھی جس سے وہ اچھی طرح آشنا تھے، جس کو خود انھوں ہی نے صادق اور امین کا لقب دیا تھا اور ان کے تجربات ان کے سامنے تھے کہ آپ سے زیادہ سچا اور مخلص اور امانت دار کوئی دوسرا اس وادی میں پیدا ہی نہیں ہوا، لہذا جیسا کہ سیرت کی کتابوں میں آتا ہے کوئی شخص اہل مکہ میں ایسا نہ تھا، جو یہ آواز سن کر نہ آیا ہو، جو خود نہ آسکا، اس نے اپنے نمائندے یا قائم مقام کو بھیجا۔

www.abulhasanalinadwi.org

عرب منصف مزاج بہادر اور سچے لوگ تھے

جب سب لوگ جمع ہو گئے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اے عبد المطلب کے فرزندو! اور اے کعب کی اولاد! اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑی کے دامن پر (دوسری جانب) ایک فوج ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتی ہے تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے؟

یہ لوگ جنھیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مخاطب فرمایا تھا، ان پڑھ اور امی لوگ تھے، انھوں نے منطق اور فلسفہ نہیں پڑھا تھا، وہ خیال آرائی و افسانہ طرازی سے ناآشنا تھے، لیکن جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا یہ لوگ حقیقت پسند اور عملی انسان تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم اور واقعیت پسندی کی دولت سے نوازا تھا، جو بڑی نعمت ہے، جب آنحضرتؐ نے ان کو مخاطب کیا تو انھوں نے صورت حال کا ایک جائزہ لیا اور اس ماحول کا اندازہ کیا جس میں آنحضرتؐ نے ان کو بلایا اور آگاہ کرنے والے کی حیثیت سے مخاطب فرمایا، انھوں نے آپ کے طرز عمل کو اپنے پچھلے تجربات کی روشنی میں سمجھ لیا تھا، اور آپ کی صداقت و دیانت اور امانت و خیر خواہی پر ان کا ایمان تھا، انھوں نے دیکھا کہ آپ پہاڑ کی بلندی پر ہیں، ایک طرف تو آپ کی نظر اس جانب (دامن کوہ کی طرف) ہے، جہاں مجمع کھڑا ہے، اِس مشاہدہ میں جس میں آپ اور ہم سب شریک ہیں، لیکن آپ بلند مقام پر کھڑے ہونے کی وجہ سے دوسری جانب بھی دیکھ سکتے ہیں، جدھر ہماری نظر نہیں پہونچتی، لہٰذا انھوں نے بلا تامل یہ بات تسلیم کر لی کہ پہاڑی کے پرے دوسری جانب جو کچھ ہے اس کو وہ آپ کے روبرو اور

www.abulhasanalinadwi.org

ہماری نظر سے اوجھل ہے۔

یہ موٹی سی بات ہے، ہزار پڑھا لکھا اور باخبر سے باخبر آدمی بھی اس کو جھٹلا نہیں سکتا، اسی طرح کسی ذہین سے ذہین اور بڑے سے بڑے پڑھے لکھے انسان کو یہ روا نہیں ہے بلکہ عملاً ناممکن ہے کہ وہ انبیاء کرام کے مشاہدات کی تردید کرے، کیونکہ وہ ان کے مشاہدات میں شریک نہیں ہیں، جس طرح پہاڑی کے دامن پر کھڑے ہونے والے شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس کی چوٹی پر چڑھے ہوئے شخص کے بیان کی تردید کردے، جو بتا رہا ہے کہ اس پہاڑی کے پیچھے کیا ہے؟

فلاسفہ اور دانشوروں کی جاہلانہ ضد

انبیائے کرام علیہم السلام سے اگر حسیات کے کسی پابند نے کٹھ حجتی کی تو انھوں نے حیرت زدہ ہو کر کہا:۔

قَالَ اَتُحَآجُّوْنِّیْ فِی اللّٰہِ وَقَدْ ھَدٰنِ ط (الانعام۔ ۸۱)	کہا اللہ کے بارے میں تم ہم سے جدل و مباحثہ کرتے ہو حالانکہ اللہ نے مجھ کو راستہ دکھلا دیا ہے۔

لیکن عرب کے اُمّی ابتدائی مرحلے میں زیادہ عقلمند تھے اور ان فلاسفہ اور دانشوروں سے زیادہ بات سمجھتے تھے، جو پیغمبروں کی دی ہوئی آگاہی کی تردید کرتے تھے اور ان حقائق کے بارے میں اس لئے شک کا اظہار کرتے تھے کہ وہ ان کے معلومات اور مشاہدات ان کا ساتھ نہیں دیتے تھے:۔

بَلْ کَذَّبُوْا بِمَا لَمْ یُحِیْطُوْا بِعِلْمِہٖ	حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کے علم پر وہ قابو

www.abulhasanalinadwi.org

وَلَمَّا یَاْتِہِمْ تَاْوِیْلُہٗ۔ نہ پاسکے اس کو نادانی سے جھٹلا دیا اور ابھی اس کی حقیقت ان پر کھلی ہی نہیں۔ (یونس۔ ۳۹)

سارا مسئلہ ایک نادیدہ عالم پر ایمان لانے کا ہے

جب یہ مرحلہ جو لازمی تھا ختم ہو چکا اور دوسرے مرحلہ میں داخل ہوئے تو فرمایا:۔

فَاِنِّیْ نَذِیْرٌ لَّکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ۔[1] میں تمہیں آنے والے عذاب سے آگاہ کرتا ہوں۔

لوگ یہ پوچھ سکتے تھے کہ آپ نے یہ عذاب کہاں اور کب دیکھا ہے؟ یہ شخص تو دیکھ سکتا ہے، جو پہاڑی پر چڑھا ہوا ہے مگر ادھر والے نہیں دیکھ سکتے کیونکہ ان کے سامنے پہاڑ کھڑا ہوا ہے، چونکہ یہ لوگ صاحب عقل، اور فطرتاً منصف مزاج اور شجاع تھے، اس لئے انھوں نے حقیقت کا جائزہ لینے میں تاخیر سے کام نہیں لیا اور تصدیق کی کہ اگر آپ کہتے ہیں کہ اس پہاڑی کے پیچھے دوسری طرف دامن کوہ میں ایک فوج ہے، جو حملہ کرنا چاہتی ہے، تو بالکل قرین قیاس اور ممکن ہے۔

انبیائے کرام کوہ رسالت کی چوٹی پر ہوتے ہیں جہاں سے وہ محسوسات کی دنیا اور عالم غیب دونوں کو دیکھ سکتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حکمت عطا فرمائی تھی، اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے زبان و عقل دونوں کی بلاغت کا جو مرتبہ عطا فرمایا تھا، اس کے ذریعہ آپ نے اپنے مخاطبین پر

---

[1] البدایہ والنہایہ لابن کثیر ج ۳ ص۴

www.abulhasanalinadwi.org

مقامِ نبوت اور مقامِ انبیاء کو واضح کر دیا، مقامِ نبوت و انبیاء بہت ہی نازک منفرد نوعیت کا مقام اور ایک بے نظیر حقیقت ہے، مقامِ نبوت سے ایک نبی ایک طرف تو وہ سب کچھ دیکھتا ہے، جو اس کے ابناء وطن، اس کے جیسے انسان دیکھتے ہیں، کیونکہ وہ بھی ایک انسان ہے "اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ" دوسری طرف وہ اس عالم کو دیکھتے ہیں، جس کو عام انسان نہیں دیکھ سکتے، وہ عالمِ غیب کو اتنا دیکھتے ہیں جتنا اللہ دکھانا چاہتا ہے[1] جس کا سبب اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ خصوصیت ہے، جس میں کوئی انسان ان کا شریک نہیں ہو سکتا کوئی ذہین سے ذہین آدمی خواہ کتنا ہی بڑا عالم ہو انبیاء کرام کی اس قوتِ مشاہدہ سے انکار نہیں کر سکتا، کیونکہ وہ اس مشاہدے میں شریک نہیں ہے، اور جس چیز کو وہ انبیاء دیکھ رہے ہیں، دوسرے لوگ دیکھ ہی نہیں سکتے۔

معمولی مثال لیجئے، میں یہاں اس کھڑکی کے سامنے ہوں[2]، میری نگاہ کھڑکی کی طرف ہے اور میں اس کے ذریعہ وہ سب دیکھ رہا ہوں جو کھڑکی کے باہر ہے، لیکن آپ سب کا رخ میری طرف ہے کھڑکی کی طرف آپ کی پشت ہے، لہٰذا مجھے یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ اس کھڑکی کے باہر کیا ہے، اگر میں کہدوں نیچے کے میدان میں فلاں آدمی گر گیا یا فلاں آدمی وہاں کھڑا ہے، تو مجھے جھٹلایا نہیں جا سکتا، کیونکہ میں جس مقام پر ہوں وہاں سے وہ چیزیں نظر آرہی ہیں جو آپ کو نظر نہیں آرہی ہیں۔

درحقیقت سارا مسئلہ ایک نادیدہ عالم پر ایمان لانے کا ہے، اگر نظر سے اوجھل کسی عالم کے وجود کو مان لیا گیا تو پھر راستہ کھل جاتا ہے، اگر ایک عالم نظر سے اوجھل ثابت ہو سکتا ہے،

---

[1] عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (الجن - ۲۶، ۲۷)

[2] مقرر کے سامنے کھڑکی کھلی ہوئی تھی، اور عمارت کے نیچے کا میدان سامنے تھا۔

www.abulhasanalinadwi.org

تو پھر ہزار عالم کے وجود میں بھی شبہ کی گنجائش نہیں ہوگی، پیغمبر کا مطالبہ ہوتا ہے کہ ایک ایسے جہاں کو تسلیم کر لیا جائے جو دیکھنے والی نگاہوں سے پرے ہے، جو محسوسات کی فرمانروائی سے بلند ہے، اور جب کسی نے ایسے جہاں کی تصدیق کر دی اور ایسی حقیقت کو مان لیا جہاں تک اس کی نگاہ نہیں پہونچتی تو پھر وہ ہزار حقیقت پر ایمان لا سکتا ہے۔

حقیقی خطرہ جس کو اہل مکہ اور اہل زمانہ نے فراموش کر رکھا تھا

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اِنِّیْ نَذِیْرٌ لَّکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ" میں تم کو آنے والے عذاب سے آگاہ کرتا ہوں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس خطرہ سے آگاہ فرمایا جو دائمی اور یقینی تھا، اور جو اس زندگی کا لازمی نتیجہ ہے، جسے وہ گزار رہے تھے، اور وہ اصنام جن پر وہ "دھونی رمائے" بیٹھے تھے، وہ ظالمانہ رواج اور جاہلیت کے اخلاق جن کا انھوں نے اپنے آپ کو پابند بنا رکھا تھا، خلاصہ یہ کہ وہ جاہلیت کی تاریک زندگی جو وہ لوگ بسر کر رہے تھے جس میں نہ ایمان کی روشنی تھی، نہ علم کی، نہ وہاں عدل کا کوئی تصور تھا، اور نہ تقویٰ کا، اس زندگی کا مزاج ہی فساد ہے جو پوری سوسائٹی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے، روح کا کرب، ذہنی اضطراب، اور باطن کو گھن کی طرح کھا جانے والا عذابِ مسلسل اس زندگی کا مزاج تھا:۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا	خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے
كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ	سبب فساد پھیل گیا ہے تاکہ خدا ان کے
بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ	بعض عملوں کا مزہ چکھائے عجب نہیں کہ وہ
(الروم - ۴۱)	باز آجائیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

اور جیسا کہ ایک دوسری جگہ ارشاد ہے :۔

وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ	اور ہم ان کو قیامت کے بڑے عذاب
دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ	کے سوا عذاب دنیا کا بھی مزہ چکھائیں گے
يَرْجِعُونَ۔ (السجدہ - ۲۱)	شاید ہماری طرف لوٹ آئیں۔

عقائد، اعمال و اخلاق کی خاصیتوں کا علم انبیاء کرام کا موضوع ہے

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے اُن ضرر رساں گوشوں سے کوئی تعرض نہیں کیا، جن کا تعلق اقتصادی، انتظامی، یا سیاسی زندگی سے تھا، کیونکہ پیغمبروں کا یہ موضوع نہیں ہوتا، اور نہ آسمانی صحیفوں کا یہ موضوع بحث ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے اہمیت اور فکر کی جو چیز تھی، وہ دائمی عذاب تھا، جو اس زندگی کے بعد آنے والی زندگی میں پیش آنے والا ہے، جس کے سامنے ہر حقیقت ہیچ اور ہر مشکل آسان اور ناقابل التفات ہے۔

وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ۔	اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت
(الرعد - ۳۴)	ہے۔
وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَىٰ	آخرت کا عذاب بہت سخت اور بہت
(طٰہٰ - ۱۲۷)	دیر رہنے والا ہے۔
وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَىٰ۔	اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی ذلیل کرنے
(حٰمٓ السجدہ - ۱۶)	والا ہے۔

انبیاء کرام کے راستے تحقیق و تجزیہ کرنے والوں کے راستوں سے مختلف ہیں۔

تحقیق و تجزیہ سے کام لینے والے دانشوروں اور ماہرین فن نے دواؤں کی خاصیتیں

www.abulhasanalinadwi.org

معلوم کیں کائنات کے بہت سے سربستہ راز کھولے، ان کے مزاج واثرات کو معلوم کیا، اور معلومات کا ایک خزانہ جمع کر دیا جس سے ہر دور میں انسانی نسلوں نے فائدہ اٹھایا، اور آج بھی اٹھا رہے ہیں، ان کی خدمات قابل قدر ہیں اور لائق اعتراف۔

لیکن انبیائے کرام کی خصوصیت اور ان کی دعوت و رسالت کا موضوع اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا علم، اس کی مرضیات و نامرضیات سے خلق خدا کو مطلع کرنا، عقائد و اعمال کی خاصیتوں سے پردہ اٹھانا، انھیں اچھے بُرے، مفید و مضر کے درمیان تمیز کر کے بتانا، کون سے اعمال خدا کی طرف سے خوشحالی اور کامرانی لاتے ہیں، اور کون سے اعمال ایسے ہیں جن سے بدبختی اور محرومی مقدر ہوتی ہے، آخرت میں ثواب و عذاب، جنت و جہنم کا حصہ میں آنا، کن اعمال کے نتیجہ میں ہوگا، اللہ تعالیٰ نے جس درجہ میں چاہا ان کو یہ بھی بتا دیا کہ اس زندگی کے بعد کیا ہونے والا ہے، اور اس جہاں میں حشر و نشر، انعام و عذاب، راحت و آرام کی یا عذاب و سزا کی زندگی کیا ہوگی:۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (الجن۔۲۶، ۲۷)

وہی غیب کی بات جاننے والا ہے اور کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا، ہاں جس پیغمبر کو پسند فرمائے تو اس کو غیب کی باتیں بتا دیتا ہے۔

انبیائے کرام کا آخری جواب

کوہِ رسالت کی بلندی پر فائز ہونے والے انبیائے کرام علیہم السلام جہاں غیب و شہود کو اس حد تک دیکھ لیتے ہیں جس حد تک اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوتی ہے، اور انسانی آبادی

www.abulhasanalinadwi.org

کو بتا دیتے ہیں کہ مستقبل قریب یا مستقبل بعید میں ان پر کیا بیتنے والی ہے، اور ان کے لئے کہاں اور کن باتوں میں خطرات مضمر ہیں، اپنی امتوں کو بڑی شفقت و رحمت کے انداز میں اور اخلاص و محبت میں ڈوبے ہوئے لہجہ میں سمجھاتے ہیں، پھر بھی اگر کوئی کج بختی پر اتر آتا ہے اور ان کے اس امتیاز و خصوصیت میں جو ہر طرح سے فطرت اور عقل کے مطابق ہے، اور ان کے مقام رسالت پر ننگ کا اظہار کرتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو سرفراز فرمایا ہے تو وہ بڑے درد اور اخلاص کے ساتھ فرماتے ہیں:۔

اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُوْمُوْا	میں تمہیں صرف ایک بات کی نصیحت
لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا	کرتا ہوں کہ تم خدا کے لئے دو دو اور اکیلے
مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ	اکیلے کھڑے ہو جاؤ پھر غور کرو، تمہارے
لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ	رفیق کو سودا نہیں، وہ تم کو عذاب سخت
(سبا۔ ۴۶)	کے آنے سے پہلے صرف ڈرانے والے ہیں۔

اور جیسا کہ قوم فرعون میں پیدا ہونے والے ایک مرد مؤمن نے کہا تھا، جو اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھے ہوئے تھا:۔

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ وَاُفَوِّضُ	جو بات میں تم سے کہتا ہوں تم اسے آگے
اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌ	چل کر یاد کرو گے، اور میں اپنا کام خدا کے
بِالْعِبَادِ۔	سپرد کرتا ہوں، بیشک خدا بندوں کو
(المومن۔ ۴۴)	دیکھنے والا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

پیغمبرانہ حکمت اور عقلی بلاغت کا ایک نادر نمونہ

اب میں ایک دوسرا تابناک اور نادر نمونہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، جو دوسرے نمونوں سے اپنے رنگ میں جُدا، اپنی نوعیت و خصوصیت کے لحاظ سے منفرد اور اسباب و ماحول کے اعتبار سے نادر ہے، لیکن پیغمبرانہ حکمت اور عقلی و بیانی بلاغت کی اعلیٰ مثال اور نادر نمونہ ہے، اس کی بلاغت صرف حُسن بیان کی نہیں بلکہ عقل و فکر کے لحاظ سے بھی قابل مطالعہ ہے، یہی نہیں بلکہ وہ ایک حکیمانہ قیادت، دلوں کی فتح و تسخیر اور دماغوں کی عقدہ کشائی کی بھی اعلیٰ مثال ہے، اور اس لائق ہے کہ ہر زبان اور ہر دور کے علمائے بلاغت اور علم النفس کے اساتذہ اس کو تحقیق و بحث کا موضوع بنائیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ حنین سے واپسی میں مقام جعرانہ پر آکر رُکے تو آپ نے جنگی قیدی اور مال غنیمت تقسیم فرمایا جس کا ذکر آپ نے سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں پڑھا ہوگا، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سرداران قریش کو جو تازہ تازہ مسلمان ہوئے تھے، وافر حصہ عطا فرمایا جس کے دعوتی و نفسیاتی مصالح تھے، اور ابوسفیان اور عکرمہ بن ابوجہل کو بڑے حصے ملے، چونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرات انصار کے ایمان و اخلاص پر پورا اعتماد تھا، اور آپ جانتے تھے کہ ان کی اسلام کے ساتھ وفاداری اور آپ کے ساتھ محبت و خلوص ہر شک و شبہ سے بالاتر اور ہر دادد ہش سے مستغنی ہے،

www.abulhasanalinadwi.org

اس لئے ان کو اس موقعہ پر زیادہ دینے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

لیکن بعض نوجوان آپس میں اپنے اس احساس کا اظہار کرنے لگے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کے افراد کو غنیمت میں سے زیادہ حصہ عطا فرمایا، یہ خبر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو پہونچی آپ نے (بظاہر) اس چھوٹی سی بات کو نظر انداز نہیں فرمایا، کیونکہ آپ صرف پیغمبر ہی نہیں، امت کے معلم و مربی اور حکیم و معالج بھی تھے، آپ نے انصار مدینہ کو ایک مکان کے احاطہ میں جمع ہونے کا حکم دیا، اور فرمایا اس احاطہ میں آج صرف انصار ہی آئیں، جب وہ جمع ہو گئے تو فرمایا:۔

احسان و کرم صرف اللہ اور اس کے رسول کا ہے

"یہ کیا" چہ می گوئیاں" ہیں جن کی مجھے اطلاع ملی ہے؟ آپ اپنے دلوں میں کیا شکایت محسوس کر رہے ہیں؟"

لوگوں نے شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کچھ بھی نہیں یا رسول اللہ! بعض ناسمجھ جوان ہیں، شیطان نے جن کے دلوں میں خدشات پیدا کر دیئے ہیں"۔

پھر آپ نے فرمایا:۔

"کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ جب میں آپ کے یہاں آیا تھا، اس وقت آپ لوگ گمراہی کی حالت میں تھے، اللہ تعالےٰ نے میرے ذریعہ آپ کی ہدایت فرمائی، آپ فقر و افلاس میں مبتلا تھے، اللہ تعالےٰ نے میرے ذریعہ آپ کو خوشحالی عطا فرمائی! آپ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے اللہ تعالےٰ نے میرے ذریعہ آپ کے دلوں کو جوڑ دیا، اور آپس میں اتحاد اور الفت پیدا فرمائی۔؟"

www.abulhasanalinadwi.org

"لوگوں نے کہا یہ بالکل حقیقت ہے اور ہماری گردنیں اللہ اور اس کے رسولؐ کے احسان عظیم سے جھکی ہوئی ہیں۔!"

دل کی تہوں میں جاگزیں محبت اور ایمان و یقین کا ابھارنا

اس موقع پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے بات کو طول نہیں دیا، بلکہ اس موقعہ پر جو بات کسی سننے والے کے دل میں "بطور جواب" آسکتی تھی، اپنی زبان سے اس کا اظہار فرما کر، ان کے ساز محبت کو چھیڑ دیا، اور دلوں کی مسیحائی کی :۔

"انصار یو! آپ جواب میں کچھ نہیں کہتے ؟

لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ہم آپ کو کیا جواب دے سکتے ہیں، اللہ اور اس کے رسولؐ کے احسان و کرم کے زیر بار اور ہر من موسے شکر گزار ہیں"۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہیں تو بالکل صحیح کہیں گے اور میں بھی اس کی تصدیق کروں گا کہ آپ بھی تو یاد کیجئے۔

بخدا اگر آپ اس کے جواب میں کہیں کہ آپ ہمارے یہاں اس حال میں آئے تھے کہ سبھوں نے آپ کو جھٹلایا تھا، ایک ہم ہی تھے جنھوں نے آپ کو سچا مانا، آپ اس حال میں آئے تھے کہ سب نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا، ایک ہم ہی تھے جنھوں نے آپ کی مدد کی آپ اس حال میں آئے تھے کہ لوگوں نے آپ کو نکال دیا تھا، ہم نے آپ کو پناہ دی، آپ اس حال میں آئے تھے کہ آپ خالی ہاتھ تھے، ہم نے ہر طرح کی خدمت کی"۔

کیا کوئی قائد و رہنما کسی قوم کا محسن یا کسی خاندان کا مربی ایسا ہو سکتا ہے، جو خود اپنے خلاف ایسی بات کہے، اگر یہ حدیث سیرت نبوی میں مذکور نہ ہوتی اور امام بخاریؒ نے

www.abulhasanalinadwi.org

جامع صحیح میں اس کی روایت نہ کی ہوتی[1] تو کسی مسلمان کی ہمت نہیں پڑ سکتی تھی کہ ان الفاظ کو اپنی زبان سے دہرائے:۔

"آپ کو لوگوں نے جھٹلایا تھا ـــــ ہم نے تصدیق کی۔
آپ کا ساتھ لوگوں نے چھوڑ دیا تھا ـــــ ہم نے مدد کی۔
آپ نکالے ہوئے آئے تھے ـــــ ہم نے پناہ دی"

چند حقیر اشیاء کے لئے آپ ہم سے ناراض ہیں؟

جب آپؐ نے ان کے اندر جوش محبت و وفاداری کے سوتے کو چھیڑ دیا، اور ان کی آنکھوں سے سیلاب اشک رواں ہو گیا، آنسوؤں سے دلوں کے بند کھل گئے تو فرمایا:۔

"انصار کے لوگو! آپ کے دلوں میں چند حقیر اشیاء کی وجہ سے شکایت پیدا ہوئی، جن کے ذریعہ میں نے کچھ لوگوں کی تالیفِ قلب کی تاکہ وہ اسلام پر پختہ ہو جائیں، اور آپ کے معاملہ میں اسلام کو کافی سمجھا" (جن سے آپ کا رشتہ پہلے سے قوی اور ناقابل شکست ہے۔)

دیکھئے یہاں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کس طرح (اسلام اور ذات نبوی کے ساتھ) ان کے تعلق کو ایک نئی زندگی، نئی روح اور نیا جوش عطا فرمایا، اور اس طرح محبت کی ایک تیز رو آئی اور سب خس و خاشاک (اگر وہ کسی دل میں رہے ہوں) کو بہالے گئی، فرمایا:

"آپ نے اپنے دلوں میں چند حقیر اشیاء کی خاطر شکایت محسوس کی" (آنحضرتؐ نے

---

[1] اس کا مکمل سیاق امام ابن قیمؒ نے "زاد المعاد" میں نقل کیا ہے، اور وہی اس موقعہ پر پیش نظر رہا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

لفظ "لعاعۃ" فرمایا تھا جس کے معنی ہیں سطح زمین پر اُگنے والی روئیدگی حقیر قسم کی گھاس وغیرہ، یہاں اس کا اعتباری ترجمہ حقیر اشیاء کر دیا ہے۔)

"جس کے ذریعہ میں نے کچھ لوگوں کی تالیفِ قلب کا کام لیا ہے اور آپ کے معاملہ میں آپ کے ایمان پر اعتماد کیا" اس کے بعد وہ بات فرمائی جو پہاڑوں کے دل چیر دے اور جس کو سن کر زمینوں سے چشمے پھوٹ پڑیں، اور معجزات کا ظہور ہو۔

انصار میرے ہیں اور میں ان کا ہوں[1]

"اے انصار یو! کیا یہ بات آپ کو پسند نہیں ہے کہ لوگ تو اپنے خیموں میں اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں، اور آپ اللہ کے رسول کو لے کر واپس جائیں؟ بخدا اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں خود انصار کا ایک فرد ہوتا، لوگ کسی گھاٹی یا وادی میں چلیں تو میں اس گھاٹی و وادی میں چلوں گا جس میں انصار چلیں گے، انصار شعار (لباس کا استر ہیں) اور لوگ دثار (اوپر کا کپڑا۔)

اے اللہ! انصار پر، انصار کی اولاد پر، انصار کی نسل در نسل پر اپنا فضل فرما!" پھر کیا ہوا؟ وہی ہوا جو متوقع تھا، اور جو قدرتی بات تھی، آنسوؤں سے ان کی داڑھیاں تر تھیں، اور وہ کہہ رہے تھے۔

رضینا برسول اللہ قسمۃً وحظًّا۔ ہم اپنی اس قسمت پر نازاں ہیں کہ رسول اللہ ہمارے حصہ میں آئیں جو نصیب میں آیا اس سے ہم راضی ہیں۔

---

[1] عربی متن ہے "الانصار شعار والناس دثار" انصار شعار ہیں، اور لوگ دثار ہیں، شعار اس کپڑے کو کہتے ہیں جو جسم سے ملحق ہوتا ہے، اور دثار اس کو کہتے ہیں جو اس کے بعد پہنا جائے۔

www.abulhasanalinadwi.org

انسانی ادب کا اعلیٰ ترین نمونہ

بخدا اگر دنیا کی کسی زبان میں، کسی مذہب کی تاریخ میں تلاش کیا جائے تو اس سے زیادہ بلیغ انداز موعظت، انسانی نفوس کے ایسے عمیق علم اور انسانی قلوب کے ایسی چارہ سازی اور مسیحائی کی مثال کہیں اور نہیں مل سکتی۔

حکمت و دعوت نبوی کے یہ وہ نمونے ہیں، جو انسانی ادب اور انسانی ذخیرۂ کتب میں بے مثال اور زندہ جاوید ہیں۔

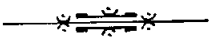

www.abulhasanalinadwi.org

خُطبَہ (۸)

حکمرانِ حبشہ کے دربار میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

اسلام اور مسلمانوں کے نمائندہ کی حیثیت سے

اس امت کے سابقین میں سے ایک داعی کی دعوت و حکمت کا نمونہ

ہم نے گذشتہ خطبات میں جہاں تین اولوالعزم انبیائے کرام کے طرزہائے دعوت کے نمونے پیش کئے تھے (یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام) اور ان کے وہ مکالمات نقل کئے تھے، جو ان کے اور ان کی امتِ دعوت اور امتِ اجابت[1] کے درمیان ہوئے، وہاں ہم نے ایک ایسے فرد کا بھی مکالمہ نقل کیا ہے جس کو نبوت و رسالت کے لئے نہیں منتخب کیا گیا تھا، وہ کسی قوم کی طرف مبعوث نہیں کیا گیا تھا، بات صرف اتنی تھی کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہم عصر ایک مردِ مومن تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کے سینے کو ایمان و حکمت کے لئے کھول دیا تھا، اس کی قوت گویائی نرم و نازک بات کو ادا کرنے کے لائق ہوگئی تھی، ایک بلیغ اور پاکیزہ وعظ اس طرح اس کے زبان سے نکلا کہ معلوم ہوتا تھا، پہلے سے ایک اسکیم کے تحت اس نے اپنی باتوں کو مرتب کر لیا تھا، جس میں فکر کے ساتھ

---

[1] پیغمبر کے معاصرین جنکو وہ دعوت دیتا ہے، خواہ وہ دعوت قبول کریں یا نہ کریں، سب کو امتِ دعوت کہا جاتا ہے اور جو لوگ اس کی دعوت قبول کرلیں اور ایمان لے آئیں وہ امت اجابت میں شمار ہوتے ہیں (مترجم)

www.abulhasanalinadwi.org

سنجیدگی کا عنصر نمایاں تھا، اس نے "فی البدیہ" اور فضول گوئی نہیں کی جس پر وہ شرمندہ ہوتا یا معذرت کی ضرورت محسوس کرتا، یا اپنی بات واپس لینے پر مجبور ہوتا، اللہ تعالیٰ جس کو دعوت جیسے مقدس فریضہ کے لئے تیار کرتا ہے، اس کے اندر یہ صلاحیت ابھر آتی ہے، ہر وہ مخلص جو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اس طرح کی خدمت انجام دینے کے لئے کھڑا ہوتا ہے، اور اپنی طرف سے اتمام حجت جس کا مقصد ہوتا ہے، وہ اس طرح کی تائید ربانی سے سرفراز کیا جاتا ہے۔

ہم نے اس سے پہلے کے خطبہ میں سید الانبیاء خاتم النبیین محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے دو نمونے پیش کئے تھے، جہاں تک سیرت نبوی کا تعلق ہے، وہ ایسے دل کش نمونوں اور بیانی و دعوتی معجزات کا ایک مجموعہ ہے جن کا احاطہ مشکل ہے، اس خزانے کے موتی کبھی کم نہیں ہوتے آج کی مجلس میں ہم ایک دوسرے موضوع کی طرف آتے ہیں، جو اُن صاحب ایمان و عزیمت مومنین کی دعوت سے متعلق ہے، جو آغوش نبوت کے پروردہ اور تربیت مصطفوی کے ساختہ پرداختہ تھے، ان کی تعداد بھی کم نہیں ہے، سردست ہم ان میں سے ایک ممتاز فرد کا نمونہ پیش کرتے ہیں، اور وہ ہیں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی، یہ وہی جعفر ہیں جن کے بارے میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا "اشبھتَ خَلْقی و خُلُقی" (اے جعفر تم ظاہری شکل وصورت اور اخلاق دونوں میں میرے شبیہ ہو۔)[۱]

وہ نازک اور خوف وہراس کا عالم جس نے اس گفتگو کی تقریب پیدا کی

قبل اس کے کہ اس دعوت کا نمونہ پیش کیا جائے، اور اس کی بلاغت، دعوتی روح

۱؎ صحیح بخاری، باب عمرۃ القضاء، مؤلف نے اپنی مرتبہ سیرت نبوی میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے، ملاحظہ ہو "نبی رحمت" ص ۴۶۲

www.abulhasanalinadwi.org

اور نفسیات انسانی کے گہرے مطالعہ کی جو شان اس کے اندر جلوہ گر ہے اس کا جائزہ لیا جائے، مناسب ہوگا کہ اس ہولناک اور نازک موقع و ماحول کو اپنے سامنے رکھیں، جس میں اسلام کے تعارف و ترجمانی اور مکی مسلمانوں کی مظلوم و مہاجر جماعت کی نمائندگی کا نازک و دشوار فرض انجام دیا گیا، اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ تقریر کرنے کھڑے ہوئے تھے، اس واقعہ کا پس منظر جس نے یہ حالات پیدا کئے تھے، سامنے رکھنا ضروری ہے۔

وہ مجلس جس میں حضرت جعفر اسلام کی حقیقت بیان کرنے اور دعوت حق دینے کھڑے ہوئے تھے، اس کے بارے میں سیرت نگار لکھتے ہیں:۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جب صحابۂ کرام پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹتے ہوئے دیکھا اور یہ محسوس فرمایا کہ آپ دشمنوں کو روک نہیں سکتے تو ان سے فرمایا: "بہتر ہوتا کہ تم لوگ حبشہ کی سرزمین کی طرف چلے جاتے، وہاں ایک بادشاہ ہے جس کی سرزمین میں ظلم نہیں ہوتا، اور یہ اچھا ملک ہے، اس وقت تک وہاں رہو جب تک کہ اللہ ان مصائب سے نجات کا راستہ نہ نکال دے" اس پر مسلمانوں کی ایک جماعت نے حبشہ کا رخ کیا، اور یہ اسلام کی تاریخ میں پہلی ہجرت تھی، یہ لوگ دس نفر تھے، آپ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر منتخب فرمایا، ان کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب گئے پھر سلسلہ لگ گیا، یہاں تک کہ تراسی نفر ہو گئے۔

جب قریش نے دیکھا کہ یہ لوگ امن کی جگہ پہونچ گئے، اور حبشہ میں جا کر محفوظ ہو گئے تو انھوں نے عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص بن وائل[1] کو حبشہ بھیجا ــــ اور ان کے ساتھ بہت سی مکہ مکرمہ کی سوغاتیں شاہ نجاشی والیٔ حبشہ کے لئے روانہ کیں ــــ یہ دونوں

---

[1] یہ دونوں عرب کے اونچے درجے کے سیاسی دماغ کے آدمی تھے۔

www.abulhasanalinadwi.org

نجاشی کے پاس پہونچے، وہ دربار کے بڑے مشیروں کو تحفہ دے کر پہلے سے ملا چکے تھے، بادشاہ کے دربار میں پہونچ کر بولے :۔

"بادشاہ عالی جاہ کے ملک میں ہمارے چند بے عقل چھوکرے آکر بس گئے ہیں، جو اپنے مذہب کو بھی چھوڑ چکے ہیں، اور آپ کے مذہب میں بھی داخل نہیں ہوئے ہیں، وہ ایک ایسے نئے قسم کے مذہب کی پیروی کر رہے ہیں، جسے نہ ہم جانتے ہیں اور نہ آپ، ہم کو آپ کی خدمت میں ان کے سرپرستوں (باپ، چچا) خاندانی بزرگوں اور قبیلہ کے سرداروں نے بھیجا ہے کہ آپ اِن لوگوں کو ہمارے ساتھ واپس کر دیں، وہ لوگ ان کی حقیقت سے زیادہ واقف ہیں اور ان کی رائے ان کے بارے میں ہر طرح سے معتبر ہے"۔

دربار کے بڑے مشیروں نے ایک زبان ہو کر کہا :۔"بادشاہ معظم یہ لوگ اپنے مطالبہ میں حق بجانب ہیں، ان جوانوں کا ان دونوں کے سپرد کر دیا جانا ہی مناسب ہے"۔

مسلمان پناہ گزینوں کا پُرفریب اور نفرت انگیز تعارف

ان الفاظ پر غور کیجئے جن کے ذریعہ ان مسلمانوں کا تعارف کرایا گیا تھا، جو حبشہ کی طرف ہجرت کر کے گئے تھے، یہ کتنا مو ثر و متنفر بنانے والا تعارف تھا، اور کس قدر چالاکی کے ساتھ خالص سیاسی انداز میں یہ بات کہی گئی تھی، ان دونوں (قریش کے نمائندوں) نے ان غریب الوطن مسلمانوں پر بھرپور وار کیا تھا، جو عام حالات میں خالی جانے والا نہ تھا۔

پہلے تو انھوں نے ان مسلمان مہاجروں کی حیثیت کو بہت کم کر کے اور حقیر انداز میں دکھایا، پھر ان کی ایسی تصویر پیش کی جو اور بھی تحقیر و استہزاء کا باعث ہو، کہنے لگے "بادشاہ معظم کے ملک میں چند بے عقل چھوکرے آکر بس گئے ہیں"، شاہی دربار میں اس لفظ کا خاص مفہوم ہے،

www.abulhasanalinadwi.org

جہاں اونچے درجہ کے تجربہ کار وزراء اور شاہزادے اور دنیا دیکھے ہوئے گھاگ قسم کے پادری اور دانش ور جمع تھے، ان دونوں نے بادشاہ اور اس کے حاشیہ نشینوں کے اندر ان مہاجروں کی طرف سے نفرت و تحقیر کا اور بھی احساس یہ کہہ کر بڑھایا کہ "یہ لوگ اپنے مذہب کو چھوڑ چکے ہیں، (یعنی بے دین ہیں) اور آپ کے مذہب میں بھی داخل نہیں ہوئے ہیں، اور ایک ایسے نئے قسم کے مذہب کی پیروی کر رہے ہیں، جسے نہ ہم جانتے ہیں، اور نہ آپ" ان الفاظ کے ذریعہ ان دونوں (قریش کے نمائندوں) نے بڑی "ایمانداری" انصاف اور غیر جانبداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایسی بات کہی (بظاہر) جو عقل سلیم کے لئے قابل قبول تھی، اور زمانہ کے عرف و رواج کے بھی مطابق تھی، ایسے مذہب کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے، جس کا دنیا کے مانے ہوئے مذاہب میں سے کسی مذہب سے تعلق نہ ہو، نہ جمہور نے اس کو تسلیم کیا ہو اور نہ کسی حکومت نے؟ ایسا مذہب تو ایک بالکل نو ایجاد طریقۂ زندگی ہوگا، جس کا دائرہ چند بے فکر اور ناسمجھ جوانوں تک محدود ہوگا۔

اس کے بعد ان دونوں نے جو کہا وہ بھی ایسی بات تھی جس کو عام حالت میں ہر صاحبِ عقل قبول کر لیتا، کہنے لگے:۔

"ہمیں آپ کے پاس، اے بادشاہ معظم! ان کے سرپرستوں (باپ، چچا) خاندانی بزرگوں اور قبیلے کے سرداروں نے بھیجا ہے کہ آپ ان کو ہمارے ساتھ انھیں کو واپس کر دیں، وہ لوگ ان کے رشتہ دار، ہم وطن اور ان کی رگ رگ سے واقف ہیں"۔

نازک اور کشمکش میں ڈالنے والی پوزیشن

یہ بات جو ان دونوں (نمائندگان قریش) نے کہی تھی کوئی معمولی بات نہ تھی، سفارتی

www.abulhasanalinadwi.org

قابلیت اور سیاسی ذہانت کا نمونہ تھی، یہ انداز گفتگو بادشاہ اور اس کے حاشیہ نشینوں کو اپنی طرف مائل کرنے اور ان کی تائید و ہمدردی حاصل کرنے کے لئے بالکل کافی تھا، اس پر مزید یہ کہ دربار کے پادریوں نے (جو شاہ کے خاص الخاص مشیروں میں تھے) بھی کہہ دیا کہ یہ لوگ ٹھیک کہتے ہیں، اے بادشاہ معظم! آپ ان (پناہ گزینوں) کو ان کے (قریش کے دونوں نمائندوں) کے سپرد کر دیجئے، مسلمانوں کے لئے یہ بڑی فیصلہ کن اور نازک گھڑی تھی۔ کوئی آدمی بھی ان کی جگہ ہوتا، اس کے اوسان خطا ہو جاتے اور نہ جانے اضطراب میں کیا کہہ دیتا یا زبان بالکل بند ہو جاتی، اس پوزیشن میں جو بھی ہوتا، اور مسلمانوں اور اسلام کی نمائندگی کی جس پر ذمہ داری ہوتی اس کا فرض تھا کہ ایسی صورت حال نہ پیدا ہونے دے کہ بادشاہ کا پروقار دربار مناظرہ کا اکھاڑہ بن جائے، جہاں سوال جواب اور لے دے ہونے لگے، اس کو ایسی بات کہنے سے بھی احتیاط کرنا تھا جس سے اس عیسائی بادشاہ کا "احساس برتری" مجروح ہو، جو ملک کا حکمراں ہونے کے ساتھ اپنے مذہب کا محافظ و سرپرست بھی تھا، اگر کوئی بات ایسی زبان سے نکل گئی تو وہ اپنے مذہب پر حملہ سمجھے گا، اور اس کی عیسائیت کی رگِ حمیت بھڑک اٹھے گی، اور اس کے اندر اپنے مذہب کے دفاع کا جذبہ ابھر آئے گا۔

اس کے ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کی نمائندگی کرنے والا خالص علمی قسم کی بات منطق و فلسفہ کی زبان میں نہ چھیڑے، کیونکہ مسیحیت کے بڑے بڑے عالم وہاں موجود تھے، جو اپنے سے زیادہ کسی کو دینی علوم میں متبحر نہیں سمجھتے تھے، علوم سماوی میں کسی کو بال برابر بھی اہمیت دینے کے لئے تیار نہ تھے۔

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا حکیمانہ طرز

حضرت جعفر نے اس جال اور مخمصہ سے کس طرح اپنے آپ کو اور مسلمانوں کو نکالا جیسے

www.abulhasanalinadwi.org

قریش کے نمائندوں نے بُنا تھا؟ اور وہ کیا طرزِ گفتگو تھا، جو انھوں نے اس نازک گھڑی میں اختیار کیا؟

نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر کی تقریر پڑھنے والے کو پہلی نظر میں معلوم ہوگا کہ یہ ایک سادہ سی تقریر تھی، جو انھوں نے مجبوری کے عالم میں فی البدیہہ کر دی، اور اس سے زیادہ ایک ایسے عرب سے توقع بھی نہیں کی جا سکتی تھی، جو ترقی یافتہ و متمدن دنیا سے دور، سیاسی داؤں پیچ سے بے خبر اور علم و ثقافت سے نابلد تھا۔

لیکن ایسا نہیں ہے، حضرت جعفر کی تقریر حکمت و موقع شناسی اور سلامتِ عقل کا نمونہ تھی، ٹھیک وقت پر اور صحیح و مناسب موقع پر اللہ نے ان سے بات کہلا دی، ان کی تقریر سے ان کی لسانی مہارت و بلاغت سے زیادہ ان کے ذہنی توازن اور عقلی پختہ کاری کا پتہ چلتا ہے، اور وہ ایک القائی و الہامی تقریر معلوم ہوتی ہے، یہ تقریر اللہ کی طرف سے دینِ حق کی تائید کا ایک مظہر تھی، اور اس بات کی شہادت کہ اللہ تعالیٰ نے مقدر فرما دیا ہے کہ اسلام کی روشنی مکمل ہو کر رہے گی، اور اللہ اس کو ہر دین پر غالب کر کے رہے گا، اس کے ساتھ فطرتِ سلیم، اور عقلی بلندی کا بھی پتہ چلتا ہے جس میں تمام عربوں کے مقابلہ میں قریش فائق تھے، اور قریش میں بنو ہاشم ممتاز تھے۔

حضرت جعفر نے بجائے خطابت و استدلال اور مذاہب کے تقابل کے، اس بات کو ترجیح دی کہ وہ صرف اس صورت حال کا نقشہ کھینچ دیں جس میں جزیرۂ عرب کے لوگ زندگی گزار رہے تھے، اور اب رسول برحق کی بعثت اور ان پر ایمان لانے کے بعد ان کی کیا حالت ہے، اور یہ کہ اللہ کے رسول نے ان کو ایمان لانے کی تزکیۂ نفوس اور تہذیبِ اخلاق کی صحیح اور سچے دین کی پیروی کرنے کی جو دعوت دی ہے، اس نے ان کے اندر کیا انقلابِ عظیم

www.abulhasanalinadwi.org

برپا کر دیا اور وہ کہاں سے کہاں پہونچ گئے!

جب صورت حال بیان کی جاتی ہے، اور اگر اس میں مبالغہ اور مناظرہ کا رنگ نہ ہو تو اثر کرتی ہے، اور جو مفہوم بیان کرنا مقصود ہوتا ہے، وہ آسانی سے ذہنوں میں جم جاتا ہے، مقاصد کی تکمیل کی راہ ہموار ہوتی ہے، اور غور و فکر، انصاف اور ہمدردی کے ساتھ بات سننے کا ماحول پیدا ہوتا ہے۔

نجاشی کے دربار میں

اب سنئے، حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نجاشی کے دربار میں تقریر کرتے ہیں:۔

"بادشاہ معظم!

ہم جاہلیت کی زندگی گزارنے والے لوگ تھے، بت پوجتے، مردار کھاتے، بے حیائی کے کام کرتے اور خونی رشتوں کے حقوق کو نظر انداز کرتے تھے، ہم اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بُرا سلوک کرتے تھے، ہم میں جو طاقت ور تھا وہ کمزور کو دبا کر رکھتا تھا۔

ہمارے یہی شب و روز تھے کہ اللہ نے ہماری طرف اپنا ایک پیغمبر مبعوث کیا، جو ہم ہی میں سے ہیں، اور ہم ان کے خاندان کو اچھی طرح جانتے ہیں، ان کی سچائی اور امانت داری اور پاک دامنی سے واقف ہیں، انھوں نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا اور تلقین کی کہ ہم اس کو یکتا اور بلا شریک مانیں، اس کی عبادت کریں، اور ان اعمال سے باز آجائیں، جو ہمارے آباء و اجداد کرتے آئے ہیں، جو خدا کو چھوڑ کر پتھروں اور مورتیوں کو پوجا کرتے تھے، ان پیغمبر نے ہمیں سچ بات کرنے، امانت کی ادائیگی، صلۂ رحمی، پڑوسیوں کے حق کی ادائیگی کی تعلیم دی، لوگوں کے حقوق پر دست درازی اور خون ناحق کے جرائم سے روکا، بے حیائی کے کاموں سے

www.abulhasanalinadwi.org

باز رہنے کا حکم دیا، جھوٹ بولنے، یتیموں کا مال کھانے، شریف خواتین پر تہمت لگانے سے منع کیا، اور ہمیں تعلیم دی کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں، ہمیں نماز ادا کرنے، زکوٰۃ نکالنے، اور روزہ رکھنے کی تلقین کی، (اسی طرح حضرت جعفر نے ارکان اسلام شمار کرائے) تو ہم نے ان کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لائے، اور اللہ کی طرف سے جو باتیں لے کر آئے تھے ان کی تعمیل کی، خدائے واحد کی عبادت کرنے لگے، شرک سے مجتنب ہوئے، ان باتوں کو اپنے اوپر حرام قرار دیا جنہیں اللہ کے رسولؐ نے حرام قرار دیا، اور ان باتوں کو حلال سمجھا جن کو اللہ کے رسولؐ نے ہمارے لئے حلال قرار دیا۔

جب ہم نے ایسا کیا تو ہماری قوم نے ہم پر زیادتی شروع کی، طرح طرح کی ایذائیں پہونچانے لگے، ہم کو اپنے اس دین سے پھیرنے کی تدبیریں کرنے لگے تاکہ پھر ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ کر اصنام کی پوجا شروع کر دیں، اور جن ناپاکیوں میں ہم آلودہ تھے، پھر سے ان میں جا گریں۔

جب ان لوگوں نے ہم کو حد سے زیادہ ستانا شروع کیا، ظلم کرنے لگے، زندگی تنگ کرنے لگے، اور ہمارے دین پر قائم رہنے کی راہ میں روڑے اٹکانے لگے تو ہم نے آپ کے ملک میں پناہ لی، اور دوسروں کی بہ نسبت آپ کو ترجیح دی، اور آپ کے جوار کو پسند کیا اور یہ توقع قائم کی کہ آپ کے ہوتے، اے بادشاہ ہم پر ظلم نہ ہوگا۔

ایوان شاہی میں حضرت جعفر کی تقریر کا اثر

مؤرخوں کا بیان ہے کہ نجاشی نے یہ پوری تقریر بڑے اطمینان اور دل جمعی کے ساتھ سنی، غالباً اس کا سبب یہ بھی ہوگا کہ حضرت جعفر نے، اس کے عدل و انصاف پر

www.abulhasanalinadwi.org

اعتماد کا اظہار کیا تھا، اور اس وصف کو سراہا تھا کہ وہ اپنے زیر انتظام رہنے والے باشندوں کے ساتھ حسن معاملگی کے ساتھ پیش آتا ہے کیونکہ سمجھدار حکمراں ہمیشہ اپنی نیک نامی اور اچھی شہرت کے طلب گار رہتے ہیں، اور وہ چاہتے ہیں کہ لوگوں میں ان کی خوبیوں کا چرچہ ہو، اور ان کا اعتماد بحال رہے"۔

نجاشی نے سوال کیا: "تمہارے رہنما جو اللہ کی طرف سے پیام لے کر آئے ہیں، اس میں سے کچھ تمہیں یاد ہے؟"

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ہاں! کہا، سناؤ: حضرت جعفر نے سورۂ مریم کی ابتدائی آیتیں پڑھ کر سنائیں، اس کو سن کر نجاشی پر گریہ طاری ہو گیا وہ اتنا رویا کہ اس کی داڑھی تر ہو گئی، اور جو پادری اور ارکان سلطنت وہاں جمع تھے، ان پر بھی رقت طاری ہو گئی اور اتنا روئے کہ ان کے سامنے جو صحیفے کھلے ہوئے تھے، وہ آنسوؤں سے تر ہو گئے"۔

نجاشی نے کہا: "یہ قرآن اور وہ صحیفہ جو عیسیٰ (علیہ السلام) لے کر آئے تھے، دونوں ایک ہی چراغ کی لَو ہیں" اس کے بعد وہ قریش کے دونوں فرستادوں کی طرف متوجہ ہو کر بولا: "تم دونوں چلے جاؤ۔ ہم بخدا ان لوگوں کو تمہارے یہاں واپس نہیں کریں گے"۔

عقیدہ کی آزمائش، اور حاضر جوابی

مصیبت یہاں پر ختم نہیں ہوئی، مسلمانوں کو ایک اور آزمائش کا سامنا کرنا پڑا، جو شاید پہلے سے زیادہ سخت تھی، عمرو بن العاص نے اپنی ترکش کا آخری مگر زہر میں بجھا ہوا تیر پھینکا، اور دوسرے دن کی صبح کو جا کر نجاشی کے کان اس طرح بھرے "اے بادشاہ! یہ لوگ حضرت عیسیٰ بن مریم کے بارے میں بہت بُری اور سخت بات کہتے ہیں" بادشاہ پھر مسلمانوں،

www.abulhasanalinadwi.org

کی طرف متوجہ ہوا، اور دریافت کیا: "تم لوگ حضرت مسیحؑ کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہو؟"

حضرت جعفر نے فرمایا: "ہم ان کے بارے میں وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں، یعنی وہ اللہ کے بندے اور اس کے پیغمبر تھے، اس کی روح اور کلمہ ——— ——— جس کو اس نے ناکتخدا، عفت مآب مریم میں جلوہ گر کیا۔"

یہ سن کر نجاشی نے زمین پر ہاتھ مارا، اور ایک تنکا اٹھا کر کہا: "واللہ جو تم نے کہا ہے، اس سے ایک تنکا برابر بھی عیسیٰ بن مریم نے اضافہ نہیں کیا ہے۔"

اگر یہاں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی اور شخص ہوتا جس کو اس مشکل کا سامنا کرنا پڑتا اور اس نئے قسم کی آزمائش سے دوچار ہوتا تو کوئی تعجب نہیں کہ وہ مداہنت کی راہ اختیار کرتا، اور موقع کی نزاکت کا خیال کر کے کوئی سیاسی قسم کا جواب دیتا، اور ایسی گول مول بات کرتا جس سے حضرت عیسیٰ کی بشریت واضح نہ ہوتی، بلاشبہ حضرت جعفر فصیح و بلیغ عرب تھے، اور حاضر جوابی، اور اسلوب کلام پر قدرت رکھتے تھے لیکن وہ اسلام کے بے داغ عقیدہ کے نمائندہ تھے، اور اگرچہ وہ پیغمبر نہیں تھے، مگر اس ایوان شاہی میں وہ انبیاءؑ کرام ہی کی قائم مقامی کر رہے تھے، اس لئے مداہنت کرنے اور حق و باطل میں آمیزش کرنے کے وہ مجاز نہ تھے، اس لئے جو کہا صاف کہا، اور کھل کر واضح انداز میں کہا، اگرچہ عقل و حکمت اور توازن و تناسب کے ساتھ اپنی بات جچے تلے الفاظ میں کہی جس میں نہ زیادتی تھی نہ کمی۔

ایک ذہنی و دعوتی معرکہ میں فتح و نصرت

اس سچائی اور اخلاص کا حاصل، اور اس بلاغت و حکمت کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت جعفر

www.abulhasanalinadwi.org

اس خطرناک کشمکش اور دشمنوں کے جال سے معزز اور کامیاب ہو کر بے داغ نکل آئے، معرکہ میں کامیابی حاصل کی، روایتوں میں آیا ہے کہ نجاشی نے انتہائی شریفانہ سلوک اور احترام کے ساتھ مسلمانوں کو رخصت کیا، اور قریش کے دونوں نمائندے عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص بن وائل شرمسار ہو کر نجاشی کے دربار سے لوٹے، مسلمان ایک اچھے ملک میں اچھے پڑوسی کے ساتھ رہنے لگے[1]

دعوت دین کے ادبی شہ پاروں اور حکمت تبلیغ کے تابناک نمونوں کا بیان ہم اس واقعہ پر ختم کرتے ہیں جس کا مظاہرہ ایک لرزہ خیز اور زلزلہ انگیز ماحول میں ہوا، اور دنیا کے ایک پرعظمت اور پُروقار ایوان میں پیش آیا، جس کا سہرا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور آپؐ کے خانوادے کے فرد کے سر رہا، جنھیں اللہ تعالیٰ نے حکمت اور دوٹوک بات کرنے کی صلاحیت بخشی تھی، دعوت کا کام کرنے والوں، اور مبلغوں کے لئے یہ دلیل راہ ہے اور علم وادب کے شیدائیوں کے لئے مطالعہ کا موضوع۔

---

[1] ملاحظہ ہو مؤلف کی کتاب "نبی رحمت" بحوالہ سیرت ابن ہشام ق ۱ ص ۳۳۴ - ۳۳۸

www.abulhasanalinadwi.org